BNLU302DET

نظیر اکبر آبادی

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

تیسرا سمسٹر (اردو)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-68324-27-5
Course : Nazeer Akbarabadi
First Edition : August 2026
Copies : 5000
Price : 95/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Irshad Ahmad, Assistant Professor (Urdu), CDOE, MANUU, Hyderabad

Editorial Board/Editors

Prof. Nikhath Jahan, Professor Urdu
CDOE, MANUU

Prof. Md Naseemuddin Farees, Urdu Consultant
CDOE, MANUU

Dr. Irshad Ahmad, Assistant Professor
CDOE, MANUU

Dr. Sabir Ali Siwani, Assistant Professor
CDOE, MANUU

Dr. Talath Jahan, Urdu Consultant
CDOE, MANUU

Dr. Md Nehal Afroz, Asst. Prof. (C),
CDOE, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Prof. (C),
CDOE, MANUU

Dr. Mohd Jafar, Asst. Prof. (C),
CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C),
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:
Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in *Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Dr. Md Nehal, Faculty of Urdu, CDOE, MANUU

Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام		وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام		ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف		کورس کوآرڈی نیٹر	7
اکائی نمبر	**اکائی کا نام**	**مصنف**	**صفحہ نمبر**
1-	نظیر اکبر آبادی کا عہد اور سماجی و سیاسی حالات	ڈاکٹر بدیع الدین	9
2-	نظیر اکبر آبادی کے حالات زندگی	پروفیسر محمد نسیم الدین فریس	26
3-	نظیر اکبر آبادی کے ادبی معاصرین	ڈاکٹر محمد شاہد	41
4-	نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات	ڈاکٹر محمد شاہد	58
5-	نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری: امتیازی خصوصیات	ڈاکٹر محمد اکمل خان	72
6-	نظموں کا مطالعہ 'بنجارہ نامہ' اور 'مفلسی'	ڈاکٹر محمد نہال افروز	92
7-	نظموں کا مطالعہ 'آدمی نامہ' اور 'شب برات'	ڈاکٹر محمد نہال افروز	107
8-	نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی: امتیازی خصوصیات غزلوں کا مطالعہ ؎ دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم ؎ ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے، رہے نہ رہے	ڈاکٹر محمد فرحان خان	123
	نمونہ امتحانی پرچہ		145

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Dr. Badiuddin, R.D., Examination Baranch, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad	**ڈاکٹر بدیع الدین**، آر۔ڈی۔ شعبہ امتحانات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Md. Naseemuddin Faris, Urdu Consultant, Centre for Distance and Online Education, MANUU, Hyderabad	**پروفیسر محمد نسیم الدین فریس**، کنسلٹنٹ، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد
Dr. Mohd Shahid, Pandit Deen Dayal Upadhyaya Government Model Inter College, Etah, Uttar Pradesh	**ڈاکٹر محمد شاہد**، پنڈت دین دیال اُپادھیائے گورنمنٹ، ماڈل انٹر کالج، ایٹہ، اتر پردیش
Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Professor (C), Centre for Distance and Online Education, MANUU, Hyderabad	**ڈاکٹر محمد اکمل خان**، اسسٹنٹ پروفیسر (C)، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد
Dr. Md. Nehal Afroz, Asst. Professor (C), Centre for Distance and Online Education, MANUU, Hyderabad	**ڈاکٹر محمد نہال افروز**، اسسٹنٹ پروفیسر (C)، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد
Dr. Mohd Farhan Khan, Resource Person, (Urdu) Teaching and Research Centre, Solan, Himachal Pradesh	**ڈاکٹر محمد فرحان خان**، ریسورس پرسن (اردو) ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، سولان، ہماچل پردیش

ٹائٹل پیج (Title Page):

ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد میں اردو زبان کا فروغ، پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا وغیرہ اہم ہیں۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 500 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری / گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہو گا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو / ہندی / انگریزی / عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک ڈہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self-Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل بیس (20) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم (نظامت فاصلاتی تعلیم)، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے طلبا کی تعلیمی ضرورت کے پیش نظر اردو زبان و ادب کی تاریخ کے موضوع پر درسی مواد تیار کیا ہے۔ یہ مواد چار سالہ بی۔ اے۔ پروگرام کے پہلے سمسٹر کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبا کا معیار یکساں ہو بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں طلبا کے لیے دوران تعلیم ایک نظام تعلیم سے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

یو جی سی کی اسی ہدایت کے تحت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا ہے۔ یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی۔ موجودہ تعلیمی ضرورت کے پیش نظر این ای پی 2020 (NEP-2020) کے تحت اردو طلبا کے لیے خود اکتسابی مواد تیار کیا جارہا ہے۔ یہ مواد چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، جس کی تیاری میں ملک بھر کے مختلف جامعات اور تعلیمی اداروں کے ماہر اساتذہ اپنا تعاون کر رہے ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعے نہ صرف اردو طلبا کی ضرورت کی تکمیل ہو گی بلکہ اردو داں طبقے کے لیے بھی یہ مواد قدر مفید ثابت ہو گا۔

نئے نصاب کی تیاری میں مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کی موجودہ کتب میں دستیاب مطلوبہ مواد کو ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور نئے نصاب کے تقاضوں کے پیش نظر نئی اکائیاں بھی لکھوائی گئی ہیں جو کورس کے خود اکتسابی مواد کا حصہ بنی ہیں۔

اس کتاب میں مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی ہے جو یکساں نصاب کے تحت روایتی اور فاصلاتی تعلیم دونوں کی ضرورتوں کو بیک وقت پورا کر سکے۔ ہر اکائی کے تحت موضوع سے متعلق مواد کے علاوہ' اکتسابی نتائج، کلیدی الفاظ، نمونۂ امتحانی سوالات اور تجویز کردہ اکتسابی مواد کی فہرست بھی دی گئی ہیں۔ امید ہے یہ معلومات طلبا کے لیے بے حد معاون ہوں گی۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم چار سالہ بی۔ اے۔ کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ تیسرے سمسٹر کے اس پرچے کا عنوان 'نظیر اکبر آبادی' ہے۔ اس پرچے میں کل آٹھ اکائیاں ہیں۔ یہ پرچہ نظیر اکبر آبادی کے تمام اکتسابی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، جس میں نظیر اکبر آبادی کے عہد، ان کے حالات زندگی، ان کے معاصرین کا تعارف، ان کی ادبی خدمات اور ان کی چند اہم نظموں اور غزلوں کے متعلق تفصیلی مواد پیش کیا گیا ہے۔

انہیں باتوں کے ساتھ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کی بیش قیمت آرا ہمیں اس کتاب کو مزید بہتر، کارآمد اور مفید بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر ارشاد احمد
کورس کوآرڈی نیٹر

نظیر اکبر آبادی

بلاک I: عہد، حالاتِ زندگی اور ادبی خدمات

اکائی 1: نظیر اکبر آبادی کا عہد اور سیاسی و سماجی حالات

اکائی کے اجزا

1.0		تمہید
1.1		مقاصد
1.2		نظیر اکبر آبادی کا عہد
	1.2.1	سیاسی حالات
	1.2.2	سماجی حالات
1.3		اکتسابی نتائج
1.4		کلیدی الفاظ
1.5		نمونۂ امتحانی سوالات
	1.5.1	معروضی سوالات
	1.5.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	1.5.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
1.6		تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

نظیر اکبر آبادی کا عہد (1735-1830) اردو ادب کی تاریخ میں ایک ایسے دور کا احاط کرتا ہے جس میں ہندوستان کی سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی زندگی میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مغلیہ سلطنت اپنی سابقہ سیاسی قوت کھو رہی تھی، مرکزی اقتدار کمزور ہو رہا تھا، مختلف علاقائی طاقتیں ابھر رہی تھیں اور دوسری طرف یورپی تجارتی قوتیں، خصوصاً اورنگزیب کے انتقال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی، رفتہ رفتہ ہندوستان کے سیاسی معاملات میں اپنا اثر بڑھا رہی تھیں۔ اس پورے عہد میں ایک طرف سیاسی انتشار، جنگ و جدال اور اقتدار کی کشمکش موجود تھی تو دوسری طرف ہندوستانی معاشرہ اپنی قدیم تہذیبی روایات، مذہبی میل جول، عوامی رسوم، تہواروں، میلوں، بازاروں اور روزمرہ زندگی کی رنگارنگی کے ساتھ زندہ تھا۔ یہی وہ تاریخی اور تہذیبی ماحول تھا جس میں نظیر اکبر آبادی نے جنم لیا اور اپنی شعری شخصیت کو

پروان چڑھایا۔ نظیر کی پیدائش ہی ایسے تاریخی ماحول میں ہوئی جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ 1739ء میں نادر شاہ کے حملے نے دہلی کی سیاسی اور معاشی زندگی کو شدید متاثر کیا۔ بعد ازاں احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں اور مسلسل سیاسی کشمکش نے شمالی ہندوستان میں عدم تحفظ کی کیفیت پیدا کر دی۔ نظیر نے اس عہد کے انقلابات کو صرف تاریخی واقعات کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ اس معاشرے کے ایک حساس فرد کی حیثیت سے ان کے اثرات کو محسوس بھی کیا۔ بعض تذکروں کے مطابق دہلی کے خراب حالات کے باعث ان کا خاندان آگرہ منتقل ہوا۔

نظیر اکبر آبادی کے عہد کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں سیاسی اقتدار کی مرکزیت کمزور ہونے کے باوجود ہندوستانی معاشرہ اپنی تہذیبی قوت سے محروم نہیں ہوا تھا۔ ہندوستان کے شہری مراکز میں مختلف مذاہب، زبانوں، طبقوں اور پیشوں سے وابستہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ مذہبی تہوار، میلوں اور بازاروں کی سرگرمیاں، عوامی تفریحات، کھیل، موسمی تقریبات اور مختلف معاشرتی رسوم شہری زندگی کا اہم حصہ تھیں۔ نظیر نے اسی عوامی زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ یہی پہلو نظیر کو اپنے بیشتر ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔ کلاسیکی اردو شاعری میں اس زمانے میں غزل کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس کے موضوعات میں عشق، حسن، ہجر، وصال، تصوف اور انسانی جذبات کی مخصوص کیفیات نمایاں تھیں۔ نظیر نے ان روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ زندگی کے ان پہلوؤں کو بھی شاعری میں جگہ دی جنہیں اس دور کی اعلیٰ ادبی روایت عموماً قابلِ اعتنا نہیں سمجھتی تھی۔ انہوں نے روٹی، آدمی، مفلسی، بنجارہ، برسات، ہولی، دیوالی، عید، شبِ برات، پتنگ بازی اور دیگر عوامی موضوعات کو اپنی نظموں کا حصہ بنایا۔ اس اعتبار سے نظیر کی شاعری کو صرف ایک ادبی اظہار قرار دینا کافی نہیں۔ ان کا کلام اپنے عہد کے معاشرے کا ایک اہم تہذیبی اور سماجی دستاویز بھی بن جاتا ہے۔ ان کی نظموں میں ہمیں بادشاہوں اور درباریوں کے بجائے عام انسان دکھائی دیتا ہے۔ دکاندار، مزدور، فقیر، مسافر، بنجارہ، بچے، تہوار منانے والے لوگ اور روزمرہ زندگی میں مصروف عام شہری ان کے شعری منظرنامے میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی لیے نظیر کو "عوام کا شاعر" کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں عوامی زندگی کی وہ تصویریں محفوظ ہیں جو محض سیاسی تاریخ یا درباری تذکروں سے پوری طرح سامنے نہیں آتیں۔ نظیر کی اہمیت کا ایک بنیادی سبب ان کی زبان بھی ہے۔ انہوں نے شاعری کے لیے صرف فارسی آمیز اور اشرافیائی اسلوب پر انحصار نہیں کیا بلکہ عوام کی بول چال، روزمرہ محاورات اور ہندوستانی معاشرت سے جڑی ہوئی زبان کو شعری اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس طرح ان کی شاعری میں موضوع اور زبان دونوں سطحوں پر عوامی زندگی داخل ہوتی ہے۔ ان کے یہاں ہندوستانی تہذیب کے مختلف مذہبی اور ثقافتی عناصر ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ہولی اور دیوالی جیسے ہندو تہواروں کے ساتھ عید اور شبِ برات جیسے مسلم تہوار بھی ان کی شاعری کا حصہ بنتے ہیں۔ نظیر کے اس رویے کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ ان کا عہد مذہبی اور سیاسی کشمکش کے ساتھ ساتھ مختلف تہذیبی عناصر کے باہمی اختلاط کا عہد بھی تھا۔ ہندوستانی معاشرے میں صدیوں سے جاری ہندو مسلم میل جول، مقامی رسوم، مشترکہ تہذیبی روایات اور شہری معاشرت نے ایک ایسی اجتماعی ثقافت تشکیل دی تھی جسے بعد میں ہندوستانی تہذیب کے مشترکہ مزاج کے طور پر دیکھا گیا۔ نظیر کی شاعری اس مشترکہ تہذیبی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- تاریخی تناظر میں نظیر اکبر آبادی کے عہد کا مطالعہ کر سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کے عہد کو اس کے وسیع تاریخی پس منظر میں سمجھ سکیں۔
- نظیر کے عہد کی بنیادی خصوصیات کا جائزہ لے سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کے زمانے کے سیاسی سیاسی حالات کا جائزہ لے سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کے زمانے کے سماجی حالات کا جائزہ لے سکیں۔

1.2 نظیر اکبر آبادی کا عہد

نظیر اکبر آبادی کا زمانہ تقریباً 1735ء سے 1830ء تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ اردو زبان و ادب کی تشکیل اور ارتقا کا نہایت اہم دور تھا۔ اٹھارہویں صدی میں اردو ایک طرف دہلی اور شمالی ہندوستان میں ادبی زبان کے طور پر مستحکم ہو چکی تھی، تو دوسری طرف لکھنؤ، آگرہ، فیض آباد اور دیگر مراکز میں بھی اس کا دائرۂ اثر وسیع ہو رہا تھا۔ فارسی اگرچہ دربار اور سرکاری امور کی اہم زبان تھی، لیکن اردو عام لوگوں کے باہمی رابطے، بازار، معاشرت اور ادبی اظہار کی ایک اہم زبان بن چکی تھی۔ نظیر اکبر آبادی اسی لسانی ماحول میں پروان چڑھے۔ ان کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو اس وقت صرف اشرافیہ یا درباری طبقے کی زبان نہیں رہی تھی بلکہ عوامی زندگی، روزمرہ معاملات اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب سے گہرا تعلق پیدا کر چکی تھی۔

نظیر کے عہد میں فارسی کو ہندوستان میں بلند ادبی اور سرکاری حیثیت حاصل تھی۔ مغلیہ دربار اور انتظامیہ میں فارسی کا استعمال جاری تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ فارسی کی طرف راغب تھا۔ اردو شاعری پر فارسی زبان و ادب کے اثرات نمایاں تھے۔ تاہم اٹھارہویں صدی میں اردو کی ادبی حیثیت مسلسل مضبوط ہو چکی تھی۔ فارسی کے الفاظ، تراکیب اور شعری اسالیب اردو میں داخل ہو رہے تھے، لیکن اردو نے مقامی ہندوستانی زبانوں سے بھی بڑی تعداد میں الفاظ اور محاورات اخذ کیے، جس کی زندہ مثال نظیر اکبر آبادی کی شاعری ہے۔ اٹھارہویں صدی میں دہلی اردو شاعری کا ایک بڑا مرکز بن چکا تھا۔ میر تقی میر، خواجہ میر درد، سودا اور دیگر شعرا نے اردو غزل کو ادبی وقار عطا کیا۔ اس دور میں اردو شاعری نے فارسی کی روایتی شعری روایت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنا مستقل شعری مزاج تشکیل دینا شروع کیا۔ عشق، تصوف، اخلاق، انسانی جذبات اور معاشرتی تجربات اردو شاعری کے اہم موضوعات بنے۔

نظیر اکبر آبادی کے عہد کی اردو کا ایک اہم پہلو اس کا عوام سے بڑھتا ہوا تعلق تھا۔ بازاروں، میلوں، شہروں اور مختلف پیشہ ور طبقات میں اردو یا اس سے ملتی جلتی ہندوستانی بول چال رابطے کا اہم ذریعہ تھی۔ نظیر نے اسی عوامی زبان کو اپنی شاعری کا وسیلہ بنایا۔ ان کے یہاں مشکل فارسی تراکیب کے بجائے روزمرہ الفاظ، محاورات اور ہندوستانی معاشرت سے متعلق الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ مثلاً روٹی، آٹا، دال، پیسہ، بازار، پتنگ، ہولی، دیوالی، عید، میلہ، بنجارہ وغیرہ کو عنوان بنا کر نظمیں لکھیں، جو عوام میں بہت مشہور ہوئیں۔ نظیر کے عہد کی

اردو ایک ایسی زبان تھی جو مختلف ہندوستانی زبانوں سے مسلسل اثر قبول کر رہی تھی۔ برج بھاشا، ہندی، پنجابی، راجستھانی اور دوسری مقامی بولیوں کے الفاظ اور محاورات اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں شامل ہو رہے تھے۔ نظیر کی شاعری میں برج اور ہندی کے الفاظ، ہندوستانی محاورات اور مقامی تہذیبی اصطلاحات کی فراوانی اسی لسانی اختلاط کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان کو پڑھتے ہوئے اس زمانے کے ہندوستانی معاشرے کی کثیر لسانی فضا بھی محسوس ہوتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی (1735–1830) کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک نہایت اہم عبوری دور تھا۔ اس عرصے میں مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی، علاقائی طاقتیں ابھریں، اور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے سیاسی اقتدار حاصل کرنا شروع کیا۔ نظیر کی پوری زندگی انہی انقلابی تبدیلیوں کے درمیان گزری، اسی لیے ان کی شاعری اپنے عہد کی زندہ تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کا عہد سیاسی انتشار، سماجی تغیر اور تہذیبی رنگارنگی کا دور تھا۔ یہی حالات ان کی شاعری کی روح بن گئے اور انہیں اردو ادب میں عوامی شعور کا سب سے نمائندہ شاعر بنا دیا۔

1.2.1 سیاسی حالات:

نظیر اکبر آبادی کا عہد ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک نہایت اہم اور پُر آشوب دور تھا۔ نظیر اکبر آبادی 1735ء میں پیدا ہوئے اور 1830ء میں وفات پائی۔ ان کی زندگی تقریباً پچانوے برس پر محیط تھی اور اس طویل عرصے میں ہندوستان نے مغلیہ سلطنت کے زوال، علاقائی طاقتوں کے عروج، بیرونی حملوں، مرہٹہ اقتدار کی توسیع اور بالآخر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی غلبے تک ایک بڑی تاریخی تبدیلی کا مشاہدہ کیا۔ اس لیے نظیر کے عہد کا سیاسی مطالعہ دراصل ہندوستان میں ایک مرکزی سلطنت کے زوال اور ایک نئے نوآبادیاتی نظام کے قیام کے درمیانی مرحلے کا مطالعہ بھی ہے۔ نظیر کے عہد کا سیاسی مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی زندگی ایک ایسے دور سے گزرتی ہے جس میں مغلیہ سلطنت کا زوال، علاقائی طاقتوں کا عروج، بیرونی حملے، داخلی جنگیں اور انگریزی اقتدار کی توسیع مسلسل جاری رہی۔ 1757ء کی جنگِ پلاسی اور 1764ء کی جنگِ بکسر کے بعد انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی طاقت میں نمایاں اضافہ ہوا، جبکہ 1803ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک اہم مرحلہ تھا۔ نظیر کی وفات 1830ء میں ہوئی، اس لیے ان کی زندگی اس بڑی سیاسی تبدیلی کے تقریباً پورے عمل کی عینی شاہد بنتی ہے۔

1۔ مغلیہ سلطنت کا زوال:

نظیر اکبر آبادی کی پیدائش کے وقت مغلیہ سلطنت بظاہر ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی قوت تھی، لیکن اورنگ زیب عالمگیر کی وفات 1707ء کے بعد مرکزی اقتدار مسلسل کمزور ہوتا گیا۔ جانشینی کی جنگوں، درباری سازشوں، صوبائی خودمختاری اور مالی مشکلات نے سلطنت کی بنیادوں کو کمزور کر دیا تھا۔ محمد شاہ کے عہد میں دربار میں عیش و عشرت اور گروہی تصادم کے ساتھ ساتھ مرکزی حکومت کی گرفت بھی کمزور ہوئی۔ صوبائی حکمران عملاً خودمختار ہونے لگے۔ بنگال، اودھ اور حیدرآباد جیسی ریاستیں مغلیہ سلطنت کے نام سے وابستہ رہتے ہوئے بھی اپنے سیاسی مفادات کے مطابق فیصلے کرنے لگیں۔ اس صورتِ حال نے ہندوستان میں ایک مضبوط مرکزی حکومت کے بجائے متعدد سیاسی مراکز پیدا کر دیے۔ نظیر نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں اس سیاسی زوال کے آثار دیکھے۔ ان کا عہد اس اعتبار سے اہم ہے کہ مغلیہ اقتدار کا ظاہری جاہ و جلال باقی تھا، مگر اس کے اندرونی سیاسی ڈھانچے میں کمزوری نمایاں ہو چکی تھی۔

2۔ نادر شاہ کا حملہ:

نظیر کی پیدائش کے چند ہی برس بعد 1739ء میں ایرانی حکمران نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ کرنال کی جنگ میں مغلیہ فوج کی شکست کے بعد نادر شاہ دہلی میں داخل ہوا۔ دہلی کی تباہی اور وسیع پیمانے پر لوٹ مار نے مغلیہ سلطنت کی کمزوری کو پوری دنیا کے سامنے ظاہر کر دیا۔ نادر شاہ کا حملہ صرف ایک فوجی واقعہ نہیں تھا بلکہ اس کے گہرے سیاسی اور معاشی اثرات مرتب ہوئے۔ نادر شاہ کا یہ حملہ سیاسی اعتبار سے مغلیہ سلطنت کے وقار کو بڑا دھکا پہونچایا اور ان کی کمزوری کو ظاہر کر دیا۔ دہلی کی دولت لوٹی گئی، جس میں تخت طاؤس بھی شامل تھا۔ عوام میں خوف و ہراس پھیلا اور مغلیہ اقتدار کی رہی سہی ہیبت بھی متاثر ہوئی۔ اس واقعے کے بعد ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال مزید غیر مستحکم ہو گئی۔

3۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے:

نادر شاہ کے حملے کے آٹھ سال بعد افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر متعدد حملے کیے۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں اس کے حملوں نے شمالی ہندوستان کی سیاسی زندگی کو مزید انتشار کا شکار بنا دیا۔ ابدالی کے حملوں کے نتیجے میں پنجاب، دہلی اور شمالی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہوا۔ 1761ء کی تیسری جنگِ پانی پت میں مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس جنگ نے ہندوستان کی طاقت کے توازن پر گہرا اثر ڈالا اور کسی ایک طاقت کے لیے فوری طور پر پورے شمالی ہندوستان پر مضبوط اقتدار قائم کرنا مشکل ہو گیا۔

4۔ مرہٹہ طاقت کا عروج:

مغلیہ سلطنت کے کمزور ہونے کے ساتھ مرہٹوں کی سیاسی طاقت تیزی سے بڑھی۔ انہوں نے ہندوستان کے وسیع علاقوں میں اپنا اثر قائم کیا اور دہلی کی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ مرہٹوں اور مغلیہ حکمرانوں کے تعلقات کبھی مفاہمت اور کبھی تصادم پر مبنی رہے۔ 1750ء اور 1760ء کی دہائیوں میں مرہٹہ طاقت شمالی ہندوستان تک پہنچ چکی تھی۔ اگرچہ 1761ء میں پانی پت کی شکست نے ان کی توسیع کو عارضی طور پر روک دیا، لیکن بعد میں مرہٹوں نے دوبارہ اپنی سیاسی طاقت بحال کر لی۔ آگرہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ بھی اس سیاسی کشمکش سے محفوظ نہ رہا۔ نظیر کی عملی زندگی کا اہم حصہ آگرہ میں گزرا، اس لیے ان کے عہد کے سیاسی تغیرات کا تعلق براہِ راست اس خطے سے بھی تھا۔

5۔ جاٹ طاقت اور آگرہ کا سیاسی ماحول:

نظیر کے عہد میں جاٹ طاقت بھی شمالی ہندوستان کی ایک اہم سیاسی قوت بن کر سامنے آئی۔ بھرت پور کے جاٹ حکمرانوں نے آگرہ اور اس کے اطراف میں اپنا اثر قائم کیا۔ سورج مل جیسے حکمرانوں نے جاٹ ریاست کو مضبوط کیا اور مغلیہ اقتدار کے کمزور ہونے سے پیدا ہونے والے سیاسی خلا سے فائدہ اٹھایا۔ آگرہ، جو مغلیہ سلطنت کا ایک اہم تاریخی مرکز تھا، اس دور میں مختلف سیاسی طاقتوں کی کشمکش کا میدان بن گیا۔ یہی شہر بعد میں نظیر اکبر آبادی کی زندگی اور شاعری کا بنیادی مرکز بنا۔ اس لیے آگرہ کے سیاسی ماحول کو نظیر کے عہد کے مطالعے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

6۔ علاقائی ریاستوں کا قیام:

مغلیہ سلطنت کے زوال کے نتیجے میں ہندوستان میں کئی علاقائی ریاستیں طاقتور ہوئیں۔ اودھ، بنگال، حیدرآباد، میسور، مرہٹہ علاقوں اور راجپوت ریاستوں نے اپنی سیاسی حیثیت مضبوط کی۔ اس سیاسی انتشار کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستان کسی ایک مرکزی اقتدار کے زیرِ نگیں نہیں رہا۔ مختلف ریاستوں کے اپنے مفادات، فوجیں اور سیاسی پالیسیاں تھیں۔ اس صورتحال نے ہندوستان کو ایک ایسی سیاسی دنیا میں تبدیل کر دیا جہاں مسلسل اتحاد، تصادم اور اقتدار کی تبدیلی جاری تھی۔

7۔ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کا سیاسی عروج:

نظیر اکبر آبادی کے عہد کا سب سے فیصلہ کن سیاسی واقعہ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کا تجارتی ادارے سے سیاسی قوت میں تبدیل ہونا تھا۔ 1757ء کی جنگِ پلاسی نے بنگال میں کمپنی کے سیاسی اثرات کو مضبوط کیا۔ اس کے بعد 1764ء کی جنگِ بکسر نے کمپنی کی طاقت کو مزید مستحکم کیا۔ 1765ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حاصل ہونے کے بعد کمپنی کو وسیع مالی وسائل دستیاب ہو گئے۔

یہ تبدیلی ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز تھی۔ اب انگریز محض تجارت کرنے والی طاقت نہیں رہے تھے بلکہ ہندوستان کے سیاسی معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے لگے تھے۔

8۔ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ:

1803ء میں دوسری اینگلو-مرہٹہ جنگ کے دوران انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ مغل بادشاہ کی رسمی حیثیت برقرار رہی، لیکن حقیقی سیاسی اقتدار انگریزی کمپنی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ یہ واقعہ نظیر اکبر آبادی کی زندگی میں پیش آیا۔ اس لیے ان کی زندگی کے آخری حصے میں ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال بالکل مختلف ہو چکی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا نام اور بادشاہت باقی تھی، مگر سیاسی اقتدار بڑی حد تک کمپنی کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

9۔ سیاسی انتشار کے عوام پر اثرات:

اس پورے دور کی سیاسی کش مکش اور اس سے پیدا شدہ نتائج کا سب سے زیادہ اثر عام انسان پر پڑا۔ جنگوں، لوٹ مار، اقتدار کی تبدیلی، معاشی بدحالی اور انتظامی عدم استحکام نے عوام کی زندگی کو متاثر کیا۔ ایک حکومت کے بعد دوسری حکومت کے آنے سے عام لوگوں کے لیے سیاسی استحکام ایک نایاب چیز بن گیا تھا۔ نظیر کی شاعری میں براہِ راست سیاسی واقعات کی تفصیل کم ملتی ہے، لیکن انسان کی بے ثباتی، مفلسی، دنیا کی ناپائیداری اور انسانی حالات کے اتار چڑھاؤ کا احساس ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کو اپنے عہد کے سماجی اور تاریخی ماحول سے الگ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ ان کی شاعری میں 'آدمی نامہ'، 'مفلسی'، 'روٹیاں'، 'بنجارہ نامہ' اور دیگر نظموں کے ذریعے زندگی کی ناپائیداری، انسانی مساوات، معاشی مشکلات اور دنیاوی اقتدار کی عارضی حیثیت سامنے آتی ہے۔ مثلاً 'آدمی نامہ' میں انسان کی مختلف سماجی حیثیتوں کو ایک ہی انسانی تصور کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر، سب انسان ہیں۔ اس طرح نظیر کا شعری تصور اپنے عہد کے طبقاتی اور سیاسی نظام کے مقابلے میں انسانی برابری کا احساس پیدا کرتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کا سیاسی عہد بنیادی طور پر مغل اقتدار کے زوال اور برطانوی اقتدار کے عروج کے درمیان کا دور تھا۔ اس عرصے

میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے، مرہٹوں اور جاٹوں کا عروج، علاقائی ریاستوں کی خود مختاری اور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی پیش قدمی نے ہندوستان کے سیاسی نقشے کو بدل دیا۔ نظیر نے اس پورے دور کو ایک عام شہری اور عوامی شاعر کی حیثیت سے دیکھا۔ اگرچہ ان کی شاعری میں سیاسی واقعات کا براہِ راست بیان نسبتاً کم ہے، لیکن ان کے یہاں عام انسان کی زندگی، معاشی مشکلات، عدمِ تحفظ، طبقاتی فرق اور دنیا کی بے ثباتی جس شدت سے سامنے آتی ہے، وہ ان کے عہد کے سیاسی ماحول سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری سیاسی تاریخ کی براہِ راست کتاب نہیں، لیکن وہ اس سیاسی تاریخ کے انسانی اثرات کی ایک اہم ادبی دستاویز ضرور ہے۔ یہی پہلو انہیں اپنے عہد کے دوسرے شعرا سے ممتاز کرتا ہے اور ان کی شاعری کو تاریخی و سماجی مطالعے کے لیے غیر معمولی اہمیت عطا کرتا ہے۔

1.2.2 سماجی حالات:

نظیر اکبر آبادی کا عہد ہندوستانی تاریخ کا ایک نہایت اہم، پیچیدہ اور تغیر پذیر دور تھا۔ ان کی زندگی 1735ء سے 1830ء تک تقریباً پچانوے برس پر محیط رہی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک طرف مغلیہ سلطنت کی سیاسی طاقت مسلسل کمزور ہو رہی تھی، دوسری طرف مختلف علاقائی قوتیں ابھر رہی تھیں اور بالآخر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے سیاسی و معاشی معاملات میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کرنے لگی تھی۔ سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی معاشرے میں بھی نمایاں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ شہری زندگی، بازار، دست کاری، تجارت، مذہبی تہوار، میلوں ٹھیلوں، تفریحات، رسوم و رواج اور طبقاتی زندگی کے مختلف مظاہر اس عہد کی سماجی ساخت کا حصہ تھے۔ اٹھارہویں صدی کے ہندوستانی معاشرے کے بارے میں مورخین کی آرا یکساں نہیں ہیں۔ ایک طرف سیاسی انتشار اور بعض علاقوں میں معاشی مشکلات کا ذکر ملتا ہے، تو دوسری طرف علاقائی ریاستوں کے قیام کے ساتھ تجارت، شہری مراکز اور مقامی معیشت کے بعض شعبوں میں سرگرمی بھی جاری رہی۔ اس لیے اس پورے دور کو محض زوال اور تباہی کا زمانہ قرار دینا تاریخی پیچیدگی کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ نظیر اکبر آبادی کی اہمیت اس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے اسی معاشرے کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کی شاعری میں عام آدمی، اس کی خوشیاں، غم، مفلسی، ضروریات، تہوار، تفریحات، رسوم، بازار اور روزمرہ زندگی کے بے شمار مناظر موجود ہیں۔ اسی لیے نظیر کا کلام اپنے عہد کے سماجی اور تہذیبی مطالعے کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

1۔ ہندوستانی معاشرہ:

نظیر کے عہد میں ہندوستانی معاشرہ مختلف طبقوں، ذاتوں، پیشوں، مذاہب اور معاشرتی گروہوں پر مشتمل تھا۔ مغلیہ دور سے چلی آنے والی طبقاتی تقسیم اگرچہ اپنی جگہ موجود تھی، لیکن اٹھارہویں صدی میں مرکزی سیاسی نظام کے کمزور ہونے سے سماجی اور سیاسی طاقت کے مراکز میں بھی تبدیلی آنے لگی۔ اعلیٰ طبقے میں بادشاہ، نواب، امرا، جاگیردار، بڑے زمیندار اور صاحبِ ثروت افراد شامل تھے۔ ان کے مقابلے میں متوسط طبقے میں تاجر، چھوٹے زمیندار، ملازمین، استاد، اہلِ حرفہ اور مختلف شہری پیشوں سے وابستہ افراد تھے۔ نچلے طبقے میں مزدور، دست کار، خادم، فقیر، بھکاری اور غریب کسان شامل تھے۔ اس طبقاتی فرق کا ایک نمایاں پہلو دولت اور معیارِ زندگی میں عدم مساوات تھا۔ اعلیٰ طبقے کے پاس دولت، زمین، اقتدار اور تفریح کے ذرائع موجود تھے، جبکہ عام آدمی بنیادی ضروریات کے حصول کے لیے محنت کرتا تھا۔ ہندوستانی معاشرے میں دولت اور معیارِ زندگی کے درمیان یہ فرق اٹھارہویں صدی کے مطالعے میں نمایاں طور پر سامنے آتا

ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے اسی طبقاتی معاشرے کو اپنی شاعری میں موضوع بنایا۔ ان کے یہاں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب، تاجر اور مزدور، سب انسانی زندگی کے مختلف کردار بن کر سامنے آتے ہیں۔ یہی وسعتِ نظر ان کی شاعری کو محض کسی ایک طبقے کی ترجمان بننے سے بچاتی ہے۔

2۔ عوامی زندگی:

نظیر کی شاعری کا سب سے نمایاں وصف عوامی زندگی کی عکاسی ہے۔ وہ عوام سے الگ ہو کر شاعری کرنے والے شاعر نہیں تھے بلکہ ان کی شاعری میں عام لوگوں کی زندگی، ان کے مشاغل، تفریحات، رسوم اور روزمرہ تجربات پوری شدت کے ساتھ منعکس ہوتے ہیں۔ نظیر نے ایسی چیزوں کو بھی شاعری کا موضوع بنایا جنہیں روایتی شاعری میں عموماً معمولی سمجھا جاتا تھا۔ روٹی، آٹا، دال، پیسہ، مفلسی، پتنگ، میلے، تہوار، جانور، پھل، موسم اور عام انسانی مشاغل ان کے شعری موضوعات میں شامل ہیں۔ ریختہ پر موجود ان کے انتخابِ کلام کے تعارف میں بھی اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ نظیر نے عام بول چال کی زبان میں عام لوگوں کے مسائل اور روزمرہ اشیا کو شاعری کا موضوع بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری میں معاشرہ کسی دور سے دیکھے ہوئے منظر کی طرح نہیں بلکہ زندہ اور متحرک صورت میں سامنے آتا ہے۔

3۔ متوسط طبقے کی زندگی:

نظیر کے عہد میں متوسط طبقہ ہندوستانی شہری معاشرے کا ایک اہم حصہ تھا۔ تاجروں، چھوٹے کاروباری افراد، اساتذہ، ملازمین، اہلِ حرفہ اور مختلف پیشہ ور افراد نے شہری معیشت کو متحرک رکھا ہوا تھا۔ نظیر کی شاعری میں اس طبقے کے مسائل اور مشاغل کی جھلک ملتی ہے۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ اس دنیا سے متعلق ہے جو نہ شاہی دربار کی انتہائی آسائش سے تعلق رکھتی ہے اور نہ انتہائی محرومی سے؛ بلکہ وہ روزمرہ ضروریات پوری کرنے، روزگار کمانے اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے وابستہ دنیا ہے۔ ایک جدید تحقیقی مطالعے میں بھی نظیر کے شعری متن کو اٹھارہویں صدی کے متوسط طبقے کی ثقافتی اور معاشی زندگی کی عکاسی سے جوڑا گیا ہے۔ اس میں مفلسی، پیسہ، آٹا، دال، روٹی اور دوسری بنیادی ضروریات کو ان کے شعری موضوعات قرار دیا گیا ہے۔

4۔ غریب اور نچلے طبقے کے حالات:

نظیر کی شاعری کا ایک اہم انسانی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے سماج کے محروم طبقوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ غربت، مفلسی، بے بسی اور بنیادی ضروریات کی جدوجہد ان کے شعری تجربے کا حصہ ہیں۔ ان کی نظم ’مفلسی‘ اس حوالے سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں غربت کو محض ایک معاشی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی زندگی کی ایک ایسی کیفیت کے طور پر دیکھا گیا ہے جو انسان کے وقار، تعلقات اور روزمرہ زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ اسی طرح ’روٹیاں‘ میں غذا اور زندگی کے بنیادی مسئلے کو شعری موضوع بنایا گیا ہے۔ روٹی یہاں صرف ایک کھانے کی چیز نہیں بلکہ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت کی علامت بن جاتی ہے۔ نظیر کے ہاں اس طرح کی شاعری اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان کے عہد میں عام آدمی کے لیے معاشی مسائل زندگی کا بنیادی مسئلہ تھے۔ جدید تحقیق بھی نظیر کی شاعری میں عام انسان کی خوراک، صحت اور بنیادی ضروریات سے متعلق جدوجہد کی نشان دہی کرتی ہے۔

5۔ طبقاتی تفاوت:

نظیر کے عہد میں سماجی طبقاتی فرق واضح تھا۔ ایک طرف امرا اور اہلِ اقتدار کی زندگی میں آسائش، دولت، عیش و عشرت اور تفریح کے سامان موجود تھے، تو دوسری طرف بڑی تعداد میں لوگ بنیادی ضروریات کے لیے محنت کرتے تھے۔ یہ طبقاتی فرق صرف معاشی نہیں تھا بلکہ لباس، رہن سہن، خوراک، رہائش، تعلیم اور تفریح کے مواقع میں بھی نمایاں تھا۔ اعلیٰ طبقے کے لیے دربار، محافل، شکار، موسیقی اور دیگر تفریحات موجود تھیں، جبکہ عام آدمی کی زندگی محنت، کاروبار اور روزمرہ ضروریات کے گرد گھومتی تھی۔ نظیر نے اس فرق کو کسی فلسفیانہ یا نظریاتی بحث کے بجائے زندگی کے عملی مشاہدے کے ذریعے پیش کیا۔ ان کی 'آدمی نامہ' اس حوالے سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس نظم میں انسان کے مختلف سماجی روپ سامنے آتے ہیں اور اس طرح انسانی برابری کا بنیادی احساس پیدا ہوتا ہے۔

6۔ شہری زندگی اور بازار:

نظیر کے عہد میں آگرہ، دہلی، لکھنؤ، متھرا اور دیگر شہری مراکز نہ صرف سیاسی بلکہ سماجی اور تجارتی سرگرمیوں کے مراکز بھی تھے۔ بازار شہری زندگی کا اہم حصہ تھا۔ یہاں مختلف پیشوں سے وابستہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے اور مختلف طبقات کے افراد کے درمیان روزمرہ رابطہ قائم رہتا تھا۔ آگرہ، جسے اکبر آباد بھی کہا جاتا تھا، نظیر کی عملی زندگی کا اہم مرکز تھا۔ اسی لیے ان کی شاعری میں شہری زندگی کے بے شمار مظاہر ملتے ہیں۔ بازار محض خرید و فروخت کی جگہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک سماجی مرکز بھی تھا جہاں مختلف طبقات، زبانوں، پیشوں اور مذہبی گروہوں کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اس لیے نظیر کے لیے بازار ہندوستانی معاشرے کی ایک جامع تصویر پیش کرنے کا بہترین مقام تھا۔

7۔ پیشہ ور طبقہ اور دست کاری:

اٹھارہویں صدی کا ہندوستان مختلف دست کاریوں اور پیشوں کے اعتبار سے ایک وسیع معاشی دنیا رکھتا تھا۔ جولاہے، کمہار، لوہار، سنار، بڑھئی، نائی، دھوبی، قصاب، دکاندار، کسان اور دیگر پیشہ ور افراد شہری اور دیہی زندگی کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ یہ پیشہ ور طبقات معاشرے کی معاشی زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتے تھے، لیکن ان کی سماجی حیثیت ہر جگہ یکساں نہ تھی۔ بعض ہنرمند افراد اپنی مہارت کی وجہ سے معاشی طور پر مستحکم تھے، جب کہ بہت سے مزدور اور دست کار کم آمدنی میں زندگی گزارتے تھے۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں زندگی کے چھوٹے چھوٹے پیشوں اور عام لوگوں کی سرگرمیوں کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ شاعر اپنے ماحول کے مختلف طبقات سے گہرا واقف تھا۔

8۔ دیہی معاشرہ:

اگرچہ نظیر کی شاعری میں شہری زندگی زیادہ نمایاں ہے، تاہم ان کے عہد کے ہندوستانی معاشرے کا بڑا حصہ دیہی علاقوں میں آباد تھا۔ ہندوستان کی معیشت بڑی حد تک زراعت پر منحصر تھی۔ کسان زمین کاشت کرتے، مختلف فصلیں پیدا کرتے اور ریاستی نظام کے لیے محصولات ادا کرتے تھے۔ سیاسی عدم استحکام، جنگوں اور اقتدار کی تبدیلیوں کا اثر کسانوں اور دیہی معاشرے پر بھی پڑتا تھا۔ بعض علاقوں میں محصول کی وصولی اور مقامی طاقتوں کی کشمکش نے کسانوں پر اضافی بوجھ ڈالا۔ اس کے باوجود ہندوستانی دیہی معاشرہ اپنی روایتی ساخت، مذہبی

رسوم، موسمی تہواروں اور اجتماعی زندگی کے ساتھ قائم رہا۔ یہی دیہی ثقافت بعد میں ہندوستانی عوامی تہذیب کا ایک اہم حصہ بنی۔

9۔ مذہبی زندگی:

نظیر اکبر آبادی کے عہد کا ہندوستان مذہبی اعتبار سے متنوع معاشرہ تھا۔ مسلمان، ہندو، سکھ اور مختلف مذہبی و روحانی روایات سے تعلق رکھنے والے لوگ مختلف علاقوں میں رہتے تھے۔ مذہبی زندگی صرف عبادات تک محدود نہیں تھی بلکہ تہواروں، میلوں، مذہبی جلوسوں، رسوم اور اجتماعی تقریبات کے ذریعے بھی ظاہر ہوتی تھی۔ نظیر نے اس مذہبی اور تہذیبی تنوع کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ان کے یہاں اسلامی تہواروں کے ساتھ ہندو تہواروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ عید، شبِ برات، ہولی، دیوالی، بسنت، راکھی اور جنم اشٹمی جیسے موضوعات ان کی شاعری میں ہندوستانی معاشرت کی مشترکہ فضا کو ظاہر کرتے ہیں۔

10۔ ہندو مسلم معاشرت:

نظیر کی شاعری کا سب سے اہم سماجی پہلو ہندو مسلم مشترکہ معاشرت کی عکاسی ہے۔ انہوں نے دونوں مذہبی برادریوں کی رسوم، تہواروں اور سماجی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھا اور انہیں شاعری کا موضوع بنایا۔ یہ بات نظیر کی شاعری کو اس لیے منفرد بناتی ہے کہ انہوں نے ہندوستانی معاشرے کو مذہبی خانوں میں تقسیم کرکے نہیں دیکھا۔ ان کے یہاں ہندو اور مسلمان دونوں ہندوستانی معاشرت کے مشترکہ کردار ہیں۔ ہولی اور دیوالی کے ساتھ عید اور شبِ برات پر نظمیں لکھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ نظیر اکبر آبادی ہندوستانی تہذیب کے مشترکہ مزاج کو اپنی شاعری میں محفوظ کرنا چاہتے تھے۔

11۔ تہواروں کی سماجی اہمیت:

نظیر کے عہد میں تہوار سماجی زندگی کا اہم حصہ تھے۔ تہواروں کے ذریعے نہ صرف مذہبی جذبات کا اظہار ہوتا تھا بلکہ لوگ اجتماعی طور پر ایک دوسرے سے ملتے، نئے کپڑے پہنتے، کھانے تیار کرتے، بازاروں کا رخ کرتے اور تفریح کرتے تھے۔ نظیر نے تہواروں کو محض مذہبی رسوم کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ ان کے سماجی اور عوامی پہلوؤں کو بھی پیش کیا۔

ہولی: ہولی ہندوستانی معاشرت کا ایک نہایت رنگین تہوار تھا۔ نظیر نے ہولی کے رنگ، شور، خوشی، باہمی میل جول اور عوامی سرگرمیوں کو اپنی شاعری میں نمایاں کیا۔

دیوالی: دیوالی کے موقع پر چراغاں، بازاروں کی رونق، خریداری اور اجتماعی خوشی ہندوستانی شہری زندگی کا حصہ تھی۔ نظیر نے ان مظاہر کو شاعری میں محفوظ کیا۔

عید اور شبِ برات: مسلمانوں کے تہوار بھی نظیر کے شعری موضوعات میں شامل ہیں۔ اس سے ان کے وسیع مشاہدے اور مشترکہ ہندوستانی معاشرت سے وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

12۔ میلوں اور تفریحی سرگرمیوں کی زندگی:

نظیر کے عہد میں میلے، تماشے، کھیل اور عوامی تفریحات سماجی زندگی کا اہم حصہ تھے۔ میلے مختلف طبقوں کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتے تھے۔ پتنگ بازی، کبوتر بازی، کھیل، تماشے، کشتی، جانوروں کے تماشے اور مختلف قسم کی عوامی سرگرمیاں شہری معاشرت میں

مقبول تھیں۔ نظیر نے ان سرگرمیوں کو اپنی شاعری میں اس طرح پیش کیا کہ قاری کو اس زمانے کے عوامی ماحول کی ایک جیتی جاگتی تصویر نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں صرف بڑے تاریخی واقعات نہیں بلکہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی اہم ہیں۔

13۔ عورت اور گھریلو زندگی:

نظیر کی شاعری میں ہندوستانی عورت کی زندگی کے مختلف پہلو بھی ملتے ہیں۔ ان کے عہد میں عورت کا بنیادی دائرہ خاندان اور گھر سے وابستہ تھا، اگرچہ مختلف طبقوں میں عورت کی معاشرتی حیثیت اور سرگرمیوں میں فرق موجود تھا۔ شادی بیاہ، گھریلو رسوم، مذہبی تہوار اور خاندانی تعلقات سماجی زندگی کا اہم حصہ تھے۔ تہواروں کے مواقع پر خواتین کی شرکت، لباس، زیورات اور رسومات بھی عوامی ثقافت کا حصہ تھیں۔ نظیر کا مشاہدہ ان پہلوؤں تک بھی پہنچتا ہے جو روایتی درباری شاعری میں عموماً نظر انداز ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کو سماجی زندگی کا وسیع آئینہ قرار دیا جاتا ہے۔

14۔ لباس اور ظاہری وضع قطع:

لباس معاشرتی حیثیت کی شناخت کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ امرا اور دولت مند طبقے عمدہ کپڑے، زیورات اور قیمتی اشیا استعمال کرتے تھے، جبکہ متوسط اور غریب طبقہ اپنی معاشی حیثیت کے مطابق لباس اختیار کرتا تھا۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد کے عوامی معاشرے میں ہندوستانی اور فارسی و مغلیہ تہذیب کے عناصر باہم ملے ہوئے تھے۔ لباس، خوراک، زبان اور رہن سہن میں اس تہذیبی امتزاج کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں بھی یہ ہندوستانی رنگ نمایاں ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے ماحول سے موضوعات اور الفاظ دونوں اخذ کیے۔

15۔ خوراک اور معاشی زندگی:

نظیر کی شاعری میں خوراک کے موضوع کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ روٹی، آٹا، دال اور دیگر غذائی اشیا کو انہوں نے شاعری کا موضوع بنایا۔ یہ چیزیں بظاہر معمولی محسوس ہوتی ہیں، لیکن دراصل انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظیر کے نزدیک شاعری صرف عشق و حسن یا فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ زندگی کی بنیادی حقیقتوں کی ترجمان بھی ہے۔ 'روٹیاں' جیسی نظم اس امر کی علامت ہے کہ نظیر نے زندگی کو اس کی بنیادی سطح پر دیکھا۔ روٹی یہاں معاشی ضرورت، انسانی جدوجہد اور زندگی کے تسلسل کی علامت بن جاتی ہے۔

16۔ مفلسی اور غربت:

نظیر کے عہد کے سماجی حالات میں غربت ایک اہم مسئلہ تھا۔ سیاسی عدم استحکام، جنگیں، محصولات اور معاشی ناہمواری نے بعض طبقوں کے لیے زندگی کو دشوار بنا دیا تھا۔ نظیر کی نظم 'مفلسی' اس حوالے سے نہایت اہم ہے۔ انہوں نے مفلسی کو صرف ایک معاشی حالت کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اس کے انسانی اور معاشرتی اثرات کو بھی محسوس کیا۔ نظیر کی شاعری کے جدید مطالعات میں بھی مفلسی، پیسہ، روٹی اور بنیادی ضروریات کو ان کے عہد کے عام انسان کے مسائل کے طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔

17۔ زبان اور عوامی معاشرت:

نظیر کی زبان ان کے سماجی شعور کی سب سے بڑی علامت ہے۔ انہوں نے فارسی آمیز اور مشکل زبان کے بجائے عوام کی روزمرہ بول چال کو شعری اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کی شاعری میں محاورے، عوامی الفاظ، مقامی اشیا، پیشوں کے نام اور روزمرہ زندگی کی اصطلاحات بڑی کثرت سے ملتی ہیں۔ اس طرح زبان اور موضوع دونوں عوام سے وابستہ ہوگئے۔ ریختہ کے مطابق نظیر نے عام باتوں کو، جنہیں اس سے پہلے شاعری میں موضوع نہیں بنایا گیا تھا، عام بول چال کی زبان میں پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری محض پڑھی نہیں جاتی بلکہ بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

18۔ اخلاقی اور انسانی اقدار:

نظیر کے عہد کے سماجی حالات میں اخلاقی اقدار بھی اہم تھیں۔ مذہبی رواداری، انسان دوستی، صبر، قناعت اور دنیا کی ناپائیداری جیسے تصورات ان کے کلام میں نمایاں ہیں۔ "آدمی نامہ" میں انسان کی مختلف سماجی حیثیتوں کو ایک وسیع انسانی تصور میں سمیٹا گیا ہے۔ اس میں بادشاہ، فقیر، امیر، غریب اور عام انسان سب ایک ہی بنیادی انسانی حقیقت سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ نظریہ نظیر کے عوامی شعور کی بنیاد ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی اصل قدر اس کی سماجی حیثیت نہیں بلکہ اس کی انسانیت ہے۔

19۔ مذہبی رواداری اور مشترکہ تہذیب:

نظیر اکبر آبادی کے عہد کی سماجی زندگی میں مذہبی رواداری اور باہمی اختلاط کے مختلف مظاہر موجود تھے۔ اگرچہ سیاسی سطح پر مذہبی یا علاقائی کشمکش کے واقعات بھی پیش آتے تھے، لیکن روزمرہ معاشرت میں مختلف طبقات اور مذہبی گروہوں کے درمیان تعلقات کے متعدد مشترکہ پہلو موجود تھے۔ نظیر کی شاعری اسی روزمرہ ہندوستانی معاشرت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ان کے لیے ہولی بھی ہندوستانی زندگی کا حصہ ہے اور عید بھی؛ دیوالی بھی معاشرتی منظرنامے کا حصہ ہے اور شبِ برات بھی۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کو ہندوستانی تہذیب کا ایک اہم شعری مورخ بھی کہا جاسکتا ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ایک مطالعے میں ان کی شاعری کو ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار قرار دیتے ہوئے اس کے مذہبی، سماجی، معاشی اور تفریحی پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

20۔ عوامی تفریح اور کھیل:

نظیر اکبر آبادی کے عہد کے عوامی معاشرے میں تفریح کے مختلف ذرائع موجود تھے۔ پتنگ بازی، کبوتر بازی، میلے، تماشے، موسیقی، رقص، میل ملاقات اور موسمی تقریبات عام لوگوں کی زندگی کا حصہ تھے۔ نظیر کی شاعری میں ان تفریحات کا ذکر اس لیے اہم ہے کہ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صرف معاشی جدوجہد میں مصروف نہیں تھے بلکہ زندگی کی خوشیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔ یہی نظیر کی شاعری کا ایک مثبت پہلو ہے۔ وہ زندگی کو صرف غربت، مفلسی اور سیاسی انتشار کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ انسانی زندگی کی خوشیوں، ہنسی، کھیل اور تہواروں کو بھی برابر اہمیت دیتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری کے حوالے سے ایک مطالعے میں بھی نظیر کی شاعری کو انسانی زندگی کے دکھ اور خوشی دونوں کا آئینہ قرار دیا گیا ہے۔

21۔ موسم اور فطرت :

نظیر کے عہد کی سماجی زندگی موسموں سے گہرا تعلق رکھتی تھی۔ برسات، گرمی، سردی، بہار اور مختلف موسمی تبدیلیاں نہ صرف زراعت بلکہ تہواروں، خوراک، لباس اور تفریح کو بھی متاثر کرتی تھیں۔ نظیر نے موسموں اور فطرت کو بھی شاعری میں جگہ دی۔ برسات، بہار اور دیگر موسمی مظاہر کے ذریعے وہ ہندوستانی زندگی کی ایک ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جس میں انسان اور فطرت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ ہندوستانی عوامی شاعری کی ایک اہم خصوصیت ہے کہ زندگی کو فطرت سے الگ نہیں دیکھا جاتا۔

22۔ موت اور زندگی کا تصور:

نظیر کے سماجی شعور میں موت کا تصور بھی نمایاں ہے۔ ان کے عہد میں بیماری، غربت، جنگ اور طبی سہولیات کی محدودیت کی وجہ سے انسانی زندگی غیر یقینی تھی۔ نظیر نے موت کو زندگی کی ایک ناگزیر حقیقت کے طور پر دیکھا۔ ان کی شاعری میں دنیا کی ناپائیداری، انسان کی بے ثباتی اور دولت و اقتدار کی عارضی حیثیت کا احساس بار بار پیدا ہوتا ہے۔ یہ تصور ان کے سماجی مشاہدے سے جڑا ہوا ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر، امیر ہو یا غریب، آخر کار سب کو موت کا سامنا کرنا ہے۔ اس طرح نظیر انسانی مساوات کا ایک بنیادی تصور پیش کرتے ہیں۔

23۔ سماجی تاریخ کا آئینہ:

نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس میں ان کے عہد کی سماجی زندگی جزئیات کے ساتھ محفوظ ہو گئی ہے۔ ان کی شاعری میں امیری، غریبی، مفلسی، تفریح، مذہب، تہوار، کاروبار، بازار، موسم، خوراک اور انسانی نفسیات سب موجود ہیں۔ اس اعتبار سے نظیر کا کلام ایک ایسا ادبی متن ہے جس سے مورخ، سماجی محقق اور تہذیبی مطالعات کا طالب علم اپنے عہد کے معاشرے کو سمجھنے میں مدد لے سکتا ہے۔ البتہ اسے تاریخی ماخذ کے طور پر استعمال کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ شاعری تخلیقی اور انتخابی اظہار ہوتی ہے؛ اسے دوسرے تاریخی ذرائع کے ساتھ ملا کر پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے عہد کے سماجی حالات کا مطالعہ ہمیں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ابتدائی ہندوستانی معاشرے کی ایک پیچیدہ مگر انتہائی رنگا رنگ تصویر دکھاتا ہے۔ یہ معاشرہ ایک طرف سیاسی انتشار، معاشی ناہمواری، طبقاتی فرق اور غربت جیسے مسائل سے دوچار تھا، تو دوسری طرف اس میں تہوار، میلوں، بازاروں، مذہبی رسوم، کھیلوں، تفریحات اور باہمی میل جول کی ایک بھرپور زندگی بھی موجود تھی۔ اس عہد میں ہندوستانی معاشرہ کسی ایک مذہب، طبقے یا ثقافتی روایت کا نمائندہ نہیں تھا۔ اس میں ہندو، مسلمان اور دیگر طبقات اپنی اپنی مذہبی شناختوں کے ساتھ ساتھ ایک مشترکہ ہندوستانی معاشرت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہی مشترکہ تہذیب نظیر کی شاعری میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی سب سے بڑی ادبی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس معاشرے کو باہر سے نہیں بلکہ اندر سے دیکھا۔ انہوں نے عام آدمی کے مسائل کو محسوس کیا، اس کی زبان کو اپنایا اور اس کی زندگی کو شاعری کا موضوع بنایا۔ اسی لیے ان کے یہاں روٹی، آٹا، دال، مفلسی اور پیسہ بھی اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں جتنی ہولی، دیوالی، عید، شبِ برات، بہار اور برسات۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی معاشرت کے متضاد رنگ—امیری و غریبی، خوشی و غم، مذہب و ثقافت، تفریح و مفلسی—ایک ساتھ موجود ہیں۔ اس اعتبار سے نظیر اکبر آبادی محض ایک شاعر نہیں بلکہ اپنے عہد کے عوامی معاشرے کے حساس مشاہد اور شعری مؤرخ بھی ہیں۔ ان

کی شاعری ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ تاریخ صرف بادشاہوں، جنگوں اور سیاسی تبدیلیوں کا نام نہیں بلکہ عام انسان کی روزمرہ زندگی، اس کے دکھ، خوشی، تہوار، خوراک، لباس، زبان، پیشے اور معاشرتی تعلقات بھی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ لہٰذا نظیر اکبر آبادی کے عہد کے سماجی حالات کا مطالعہ دراصل ہندوستانی سماج کی اس تہذیبی تصویر کا مطالعہ ہے جس میں عوامی زندگی، مشترکہ تہذیب، معاشی جدوجہد، مذہبی رواداری، طبقاتی تفاوت اور انسانی مساوات ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ یہی وہ سماجی پس منظر ہے جس نے نظیر کے شعری مزاج کو تشکیل دیا اور انہیں اردو ادب میں ایک منفرد عوامی شاعر کا مقام عطا کیا۔

1.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظیر اکبر آبادی کی شخصیت اور شاعری کو ان کے عہد کے تاریخی پس منظر سے الگ کر کے سمجھنا ممکن نہیں۔ ان کی زندگی ایسے زمانے میں گزری جب ہندوستان سیاسی، معاشی اور سماجی تبدیلیوں سے گزر رہا تھا۔
- نظیر کا عہد مغلیہ سلطنت کے زوال اور نئے سیاسی نظام کے ظہور کا عہد تھا۔ مرکزی اقتدار کی کمزوری، علاقائی طاقتوں کا عروج اور انگریزی اقتدار کی توسیع نے معاشرے کی مجموعی ساخت کو متاثر کیا۔
- سیاسی انتشار کے اثرات براہِ راست عوامی زندگی پر مرتب ہوئے۔ جنگوں، اقتدار کی تبدیلی، معاشی بے یقینی اور انتظامی عدم استحکام نے عام انسان کی زندگی کو متاثر کیا۔ نظیر نے ان حالات کو براہِ راست سیاسی تاریخ کے بجائے انسانی زندگی کے تجربات کے ذریعے محسوس کیا۔
- نظیر اکبر آبادی نے اردو شاعری کا موضوع وسیع کیا۔ انہوں نے عشق و حسن اور روایتی شعری موضوعات کے ساتھ ساتھ روٹی، مفلسی، بازار، تہوار، موسم، کھیل، کاروبار اور عام انسان کی زندگی کو بھی شاعری کا موضوع بنایا۔ ریختہ کے مطابق ان کی شاعری میں عوامی مسائل، تہذیب، اخلاق، رسوم و رواج اور نچلے طبقے کی زندگی نمایاں ہے۔
- نظیر کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا عوامی شعور ہے۔ وہ اشرافیہ اور دربار کے بجائے عام انسان کے شاعر ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں اردو کا اہم عوامی شاعر قرار دیا گیا ہے۔
- نظیر نے سماج کے محروم اور دبے ہوئے طبقات کو شعری نمائندگی دی۔ مفلسی، غربت، روزمرہ ضروریات اور انسانی مشکلات ان کے یہاں محض موضوع نہیں بلکہ زندگی کے حقیقی تجربات بن کر سامنے آتی ہیں۔
- ان کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کی جامع تصویر ملتی ہے۔ ہولی، دیوالی، عید، شبِ برات، میلوں، موسمی تقریبات اور دیگر رسوم کا ذکر اس بات کی علامت ہے کہ نظیر نے ہندوستانی معاشرے کو اس کی مذہبی اور تہذیبی رنگارنگی کے ساتھ دیکھا۔
- نظیر کی شاعری ہندو مسلم مشترکہ معاشرت کی اہم ادبی دستاویز ہے۔ انہوں نے مختلف مذہبی برادریوں کی رسوم اور تہواروں کو یکساں انسانی اور تہذیبی نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ اسی سبب ان کی شاعری میں قومی یک جہتی اور مشترکہ تہذیب کا تصور نمایاں ہے۔

- نظیر نے عوام اور خواص کے درمیان ادبی فاصلے کو کم کیا۔ ان کی زبان عام فہم، روزمرہ اور عوامی معاشرت سے قریب ہے۔ اس طرح انہوں نے شاعری کو عام قاری اور عام انسان کے تجربے سے جوڑ دیا۔ مجنوں گورکھپوری نے بھی نظیر کے یہاں سماجی اور عمرانی واقعیت کو ان کی بنیادی انفرادیت قرار دیا ہے۔
- نظیر کی شاعری کو سماجی تاریخ کے معاون ماخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان کے کلام میں بازار، پیشے، تہوار، تفریحات، معاشی حالات، غربت، امیری، مذہبی رسوم اور عوامی زندگی کی ایسی جزئیات ملتی ہیں جو اس عہد کے معاشرتی مطالعے میں مدد دیتی ہیں۔ البتہ شعری متن کو تاریخی ماخذ کے طور پر دوسرے مستند تاریخی ذرائع کے ساتھ ملا کر پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔
- نظیر کے یہاں انسان دوستی بنیادی قدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی عظمت اس کے طبقاتی یا معاشی مرتبے سے نہیں بلکہ اس کی انسانیت سے وابستہ ہے۔ یہی تصور ان کی نظم "آدمی نامہ" میں نمایاں صورت اختیار کرتا ہے۔
- نظیر کی شاعری حقیقت نگاری اور مشاہدے کی شاعری ہے۔ انہوں نے اپنے گردوپیش کی زندگی کو محض تخیل کے ذریعے نہیں بلکہ ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر شعری صورت دی۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری میں روزمرہ زندگی کی جزئیات بڑی قوت کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔
- نظیر کی ادبی اہمیت وقت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ ان کے زمانے میں انہیں وہ ادبی مقام حاصل نہ ہو سکا جو بعد میں ملا، لیکن بعد کے ادبی مطالعات نے ان کے عوامی اور سماجی شعور کو اردو شاعری کی ایک بڑی خصوصیت تسلیم کیا۔
- نظیر کی شاعری میں زندگی کے مثبت اور منفی دونوں پہلو موجود ہیں۔ وہ صرف غربت، مفلسی اور معاشرتی مشکلات کے شاعر نہیں؛ بلکہ زندگی کی خوشی، تہوار، تفریح، موسم، رنگ اور انسانی مسرتوں کو بھی پوری کشادگی سے پیش کرتے ہیں۔
- نظیر کا شعری سرمایہ ہندوستانی معاشرے کی تہذیبی یادداشت کا اہم حصہ ہے۔ ان کے یہاں عوامی بودوباش، رسم و رواج، مذہبی تقریبات، معاشی سرگرمیاں، تفریحات اور انسانی تعلقات کی جو تصویریں ملتی ہیں، وہ انہیں اپنے عہد کا اہم سماجی مبصر بنا دیتی ہیں۔

1.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
پس منظر	:	کسی واقعے یا شخصیت کے پیچھے موجود حالات
عروج	:	بلندی، ترقی، ترقی کی انتہا
توسیع	:	پھیلاؤ، وسعت
انتشار	:	بدنظمی، افراتفری، بکھراؤ
براہِ راست	:	بالواسطہ کے بغیر، سیدھے طور پر
اشرافیہ	:	اعلیٰ طبقہ، دولت مند اور بااثر لوگ

رنگارنگی	:	مختلف رنگوں اور صورتوں کی کثرت
عام فہم	:	آسانی سے سمجھ میں آنے والا
عمرانی	:	معاشرتی اور سماجی زندگی سے متعلق
واقعیت	:	حقیقت، حقیقی صورتِ حال
جزئیات	:	چھوٹی چھوٹی تفصیلات
مشاہدہ	:	غور سے دیکھنا اور حالات کا جائزہ لینا۔
بودوباش	:	رہن سہن، طرزِ زندگی

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کو اردو ادب میں کس حیثیت سے مشہور کیا جاتا ہے؟

(a)عوامی شاعر (b)مرثیہ نگار (c)داستان گو (d)معلم

2۔ نظیر اکبر آبادی نے شاعری میں کس طبقے کو خصوصی اہمیت دی؟

(a)مزدور عوام (b)خواص (c)امرا (d)سپاہی

3۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں کس قسم کی زندگی کی بھرپور عکاسی ملتی ہے؟

(a)شہری (b)دیہی (c)عربی (d)انگریزی

4۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد میں کون سی سلطنت زوال پذیر تھی؟

(a)برطانیہ (b)ایرانی (c)مغلیہ (d)چینی

5۔ ہندوستان میں انگریزی سیاسی اقتدار کے پھیلاؤ میں کس ادارے نے بنیادی کردار ادا کیا؟

(a)زمین دار (b)مزدور (c)نوابین (d)سپاہی

6۔ 'روٹیاں' کس شاعر کی مشہور نظم ہے؟

(a)میر تقی میر (b)مرزا غالب (c) نظیر اکبر آبادی (d)مولانا حالی

7۔ 'مفلسی' کے ذریعے نظیر نے کس سماجی مسئلے کو موضوع بنایا؟

(a)ایمانداری (b)اخلاقیات (c)غربت (d)امیری

8۔ نظیر نے شاعری کو کن لوگوں کے قریب کیا؟

(a)عوام (b)امرا (c)سپاہی (d)مظلوم

9۔ نظیر کی شاعری میں 'مفلسی' کس طبقے کی نمائندگی کرتی ہے؟

(a)مزدور (b)کسان (c)سوداگر (d)سپاہی

10۔ نظیر کا عہد کب سے کب تک ہے؟

1750-1700(a) 1830-1735(b) 1850-1780(c) 1920-1850(d)

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کو 'عوام کا شاعر' کیوں کہا جاتا ہے؟ لکھیے۔

2۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد کی سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیجیے۔

3۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد کے معاشرے کی بنیادی طبقاتی ساخت پر تبصرہ کیجیے۔

4۔ نظیر کی شاعری میں ہندو مسلم مشترکہ معاشرت کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟ بیان کیجیے۔

5۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری کو سماجی تاریخ کا آئینہ کیوں کہا جاتا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر نے عام انسان کو شاعری کا موضوع بنا کر اردو ادب میں کیا تبدیلی پیدا کی؟ لکھیے۔

2۔ نظیر کی شاعری میں ہندوستانی سماج کی کون سی خصوصیات نمایاں ہیں؟ بیان کیجیے۔

3۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات کو قلم بند کیجیے۔

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ تاریخ ادب اردو (جلد سوم) ڈاکٹر جمیل جالبی

2۔ انگریز استعمار کی سماجی مبادیات اور نظیر کا نظمیہ متن عمران اظفر

3۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کی عکاسی امتیاز احمد علیمی

4۔ اردو شاعری میں نظیر اکبر آبادی کی انفرادیت و اہمیت محمد نعمان خاں

5۔ نظیر اکبر آبادی اور اردو شاعری میں واقعیت و جمہوریت کا آغاز مجنوں گورکھپوری

1.5.1 کے جوابات: a۔1 a۔2 b۔3 c۔4 c۔5

c۔6 b۔7 a۔8 a۔9 b۔10

اکائی 2 : نظیر اکبر آبادی کے حالاتِ زندگی

اکائی کے اجزا

2.0		تمہید
2.1		مقاصد
2.2		سوانحی حالات
2.3		تعلیم
2.4		پیشہ
2.5		شخصیت
2.6		اکتسابی نتائج
2.7		کلیدی الفاظ
2.8		نمونہ امتحانی سوالات
	2.8.1	معروضی سوالات
	2.8.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	2.8.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
2.9		تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

نظیر اکبر آبادی اردو کے نہایت منفرد اور ممتاز شاعر ہیں۔ انھوں نے عہد متوسط کی عام شعری روش سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ اختیار کی۔ اردو شاعری کے مزاج اور موضوعات پر فارسی شاعری اور طبقہ 'اشرافیہ' کی چھاپ تھی لیکن نظیر نے شعوری طور پر اس کا رشتہ عوامی زندگی سے جوڑا۔ نظیر نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔ اپنے آس پاس کے ماحول کو کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ زندگی کے ہنگاموں میں پورے جوش کے ساتھ شریک رہے، ان سے خط حاصل کیا اور انہی ہنگاموں اور گہما گہمی کو اپنی شاعری میں سمویا۔ انہوں نے میلوں، تہواروں، موسموں پھلوں اور اصلی زندگی سے متعلق بیسیوں چھوٹی چھوٹی چیزوں کا اپنی شاعری کا موضوع بنایا اس لیے ان کی شاعری میں عوامی زندگی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے انہیں بازاری شاعر کہہ کر نظر انداز بھی کیا جاتا رہا لیکن وہ زمانہ بھی آیا جب وہ عوامی شاعر کہلائے۔ نظیر کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ان کو دہلی یا لکھنو یا کسی اور دبستان شاعری سے جوڑا نہیں جاسکتا اس لیے کہ وہ

اپنی شاعری کے منفرد مزاج کے باعث بذات خود ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس اکائی میں ہم نظیر اکبر آبادی کے حالات زندگی اوران کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظیر کی زندگی کے حالات اوراہم واقعات بیان کر سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کی تعلیم اوران کی علمی قابلیت کی وضاحت کر سکیں۔
- نظیر کے ذریعہ معاش اوران کے پیشے پر روشنی ڈال سکیں۔
- نظیر کی تصانیف کے نام بتا سکیں۔
- نظیر کی شخصیت کے ظاہری پہلوؤں پر اظہار خیال کر سکیں۔
- نظیر کے عام اخلاق اور سیرت و کردار پر روشنی ڈال سکیں۔

2.2 سوانحی حالات

نظیر کا نام شیخ ولی محمد تھا۔وہ شیخ محمد فاروق کے بیٹے تھے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ نظیر کے سنہ پیدائش میں اختلاف ہے لیکن اکثر محققوں کا ماننا ہے کہ وہ 1735ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ بعض تذکروں میں ان کی جائے پیدائش آگرہ بتائی گئی ہے مگر اس کی تائید کہیں اور نہیں ہوئی۔

ان کے والد محمد فاروق عظیم آباد (پٹنہ) کے کسی نواب کے یہاں ملازم تھے۔ان کی شادی آگرے کے قلعہ دار نواب سلطان خاں ابن اختر خاں کی دختر سے ہوئی تھی۔نواب سلطان تھے تو دہلی کے باشندے لیکن عرصے سے آگرہ میں رہتے چلے آرہے تھے۔ محمد فاروق کی بارہ اولادیں ہوئیں لیکن سب کی سب فوت ہو گئیں۔ نظیر کی والد فقرا کے آستانوں پر جاتیں اوراولاد کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگا کرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ نظیر کی نانی نے ایک بزرگ کے پاس دعا کے لیے ماما کو بھیجا۔انہوں نے کہاماما سے کام نہ ہو گا۔اپنے داماد محمد فاروق کو بھیجو۔ محمد فاروق دوڑتے دوڑتے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہوں نے محمد فاروق کو پانچ پھول عنایت کیے اور ہدایت کی کہ ان کو سونگھ کر دریا میں ڈال دینا اور جو کیفیت ان پھولوں کی ہو پھر مجھ سے کہہ جانا۔ محمد فاروق نے عقیدت کے ساتھ وہ پھول لیے اور جمنا کنارے پہنچے اورانھیں سونگھ کر دریا میں پھینک دیا۔ان میں ایک پھول توسیدھا پڑا اور باقی سب پٹ۔یہ خبر لے کر وہ پھر بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔ بزرگ نے خوشخبری سنائی کہ جا خوش ہو۔ایک لڑکا تیرا زندہ ہو گا اور زندہ رہے گا۔اور تیرے نام کو زندہ کرے گا۔ حسنِ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد ان کی اہلیہ کے یہاں آثار حمل ظاہر ہوئے اور نویں مہینے میں میاں نظیر کی ولادت ہوئی۔یوں کسی داستان کے شہزادے کی طرح نظیر کی ولادت ہوئی۔چونکہ بارہ اولادوں کے بعد یہ زندہ بچ رہے تھے اس لیے نظر بد سے بچانے کے خیال سے ان کے کان اور ناک چھید کر کانوں میں موتی کے گوشوارے اور ناک میں بلاق ڈالی گئی اوران کے ظاہری وضع و طبع بالکل لڑکیوں کی سی بنادی گئی۔

دہلی سے آگرے کو روانگی:

اٹھارویں صدی عیسوی کے دوران سلطنت دہلی وقفے وقفے سے تباہی اور بربادی کا شکار ہوتی رہی۔ مغل حکمرانوں کی کمزوری کے سبب مقامی اور اندرونی خلفشار ایک طرف سے اور دوسری طرف سے نادر شاہ کے حملے اور دہلی کے باشندوں کے قتل عام نے سلطنت دہلی کی بنیادیں ہلادیں۔ نظیر کی عمر بائیس یا تیئیس برس کی تھی جب نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی کی فوجوں نے اہل دہلی پر ستم توڑے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کی تباہ کاریوں کا اندازہ دہلی والوں کو ہو گیا تھا کیونکہ نادر شاہ کی درندگی کی یاد ان کی ذہنوں میں ابھی تازہ تھی۔ احمد شاہ ابدالی کے کے پانی پت پر قبضے کی خبر سے دہلی والوں کے دل دہل گئے انھوں نے محسوس کیا کہ خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ ہر شخص گھبرایا ہوا تھا۔ لوگ دہلی چھوڑ کر جدھر موقع ملا ادھر جانے لگے تاکہ امکانی خون خرابے سے محفوظ رہ سکیں۔

نظیر کی ماں اور نانی بھی اس اطلاع سے سہم گئیں۔ نادر شاہ کی فوجوں کی قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا منظر نظر آنے لگا۔ نظیر کے گھر والوں نے بھی دہلی کو الوداع کہنے میں ہی عافیت سمجھی اور دہلی چھوڑ کر آگرہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ آگرہ ابتدا میں مغل بادشاہوں کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ یہ شہر حملہ آوروں کی راہ سے ہٹ کر تھا جس کی وجہ سے دہلی کے مقابلے میں بیرونی حملوں سے زیادہ محفوظ تھا۔ آگرہ میں نظیر کے نانا سلطان خاں قلعدار بھی رہتے تھے۔ آگرہ پہنچ کر یہ لوگ مٹھائی کے پل کے قریب مکان لے کر رہنے لگے۔ اس زمانے میں آگرہ ادبی سرگرمیوں کا بھی مرکز تھا۔ میر اور غالب جیسے عظیم شاعر یہیں پیدا ہوئے تھے۔ متھرا بھی قریب تھا جو برج بھاشا کی شاعری کا مرکز تھا۔ جہاں سورداس کے گیت اور میرابائی کے بھجن فضاؤں میں گونج رہے تھے۔ یہ تہواروں اور میلوں ٹھیلوں کا شہر تھا۔

نظیر تہواروں کی خوشیوں اور میلوں ٹھیلوں کے ہنگاموں میں حصہ لیتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اُن کے کلام میں یہاں کے بازاروں، گلی کوچوں، سیر تماشوں، میلوں ٹھیلوں کھیل اور تیج تہواروں کی دلکش تصویریں ملتی ہیں۔

نظیر کی ساری زندگی آگرے میں گزری۔ مغل شہنشاہ اکبر نے آگرے کا نام اکبر آباد رکھا تھا۔ اسی نسبت سے نظیر کو نظیر اکبر آبادی کہا جاتا ہے۔ نظیر بھی اپنے آپ کو اکبر آباد کا باشندہ بتاتے ہیں۔ اپنی ایک نظم میں وہ کہتے ہیں:

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے
ملا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو نظیرؔ کہو آگرے کا ہے

نظیر کی ابتدائی زندگی-ماحول اور مصروفیات:

نظیر کا بچپن اور ابتدائے جوانی کا زمانہ بڑی ہنسی خوشی اور بے فکری میں گزرا۔ والدین کی واحد اکلوتی اولاد تھے اس لیے ان کی پرورش بڑے ناز و نعم اور لاڈ پیار سے ہوئی۔ وہ ہر قسم کی تفریحات اور کھیل تماشوں میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں بچپن کے کھیل تماشوں تہواروں اور میلوں کا ذکر جس تفصیل سے ملتا ہے وہ اردو کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔ نظیر کا بچپن سماجی اور تمدنی زندگی کی رنگ رلیوں اور رونقوں کا مشاہدہ کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں گزرا۔ اس زمانے میں مشکل

سے ایک آدھ دن گزرتا تھا کہ کوئی نہ کوئی تہوار یا میلہ آجاتا۔ پھیری والے اور خوانچے والے گلی کوچوں میں سبزی، ترکاری، پھل پھلاری، خوردونوش کا سامان اور طرح طرح کی چیزیں بڑے دلچسپ انداز میں گا کر یا خاص انداز میں بار بار آواز لگا کر فروخت کرتے تھے۔ وہ بچوں، جوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں سب کو اکٹھا کر کے مجمع لگاتے اور کھیل تماشے دکھا کر سامان فروخت کرتے۔ انہی رونقوں میں نظیر کا بچپن گزرتا رہا۔

نظیر کے بچپن کے زمانے میں عید اور تہوار بھی بڑے دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ ہر طرف رونقیں اور خوشیاں ہوتی تھیں۔ دیوالی کے موقع پر چراغوں کی سجاوٹ، مٹھائیوں کی سجی ہوئی دکانیں، مٹھائی کے بنے ہوئے ہاتھی، گھوڑا، شیر وغیرہ مختلف کھلونے دیکھنے والوں خصوصاً بچوں کو خوب للچایا کرتے تھے۔ شب برات کے موقع پر خوب آتش بازی ہوتی اور سارا ماحول جگمگانے لگتا۔ عیدوں کے موقعے پر بچوں کی دلچسپی کے بڑے سامان ہوتے۔ طرح طرح کے کھلونوں کے کاروان آتے جیسے لکڑی کی پالکی، قندیلیں، پنکھے، لکڑی کی تلواریں، باجے وغیرہ ہولی کا تہوار رنگ رنگیلا تہوار تھا۔ نظیر بڑے شوق اور جوش سے اس میں حصہ لیتے اور رنگ کھیلنے کا لطف لیتے۔ سڑکیں ہولی کھیلنے والوں سے بھری ہوتی تھیں۔ رنگ اور گلال اڑتے، موسیقی، رقص اور عیش وطرب کا ماحول ہوتا۔

نظیر کے لڑکپن کے دور میں تفریح اور دل بہلائی کے کچھ اور بھی سامان تھے جیسے مختلف بازی گر گلیوں بازاروں اور میدانوں میں اپنے کرتب دکھاتے۔ ریچھ والا ڈگڈگی بجاتا چلتا اور اس کے پیچھے بچوں کا ہجوم ہوتا۔ ریچھ اپنے کرتب دکھاتا، سپیرے آتے جو بین بجا کر سانپوں کا کھیل دکھاتے۔ اسی طرح گلہری والا، بیاوالا، طوطے والا سب اپنے اپنے سدھائے ہوئے پرندوں کا ہنر دکھاتے اور پیسے مانگتے نظیر کی کلیات میں بچپن کے ان کھیل تماشوں پر دلچسپ نظمیں ملتی ہیں۔

عہد طفولیت کی طرح نظیر کی نوجوانی کا زمانہ بھی سیر و تفریح اور کھیل تماشوں کے مزے لوٹنے میں گزرا۔ اس زمانے کے جوانوں اور نوجوانوں کے مشاغل میں پتنگ بازی، شطرنج، چوسر بازی، گنجفہ بازی، کبوتر بازی وغیرہ شامل تھے۔ نوجوانی میں نظیر ان سب کھیلوں میں طاق تھے۔ وہ بلبلوں اور چھوٹی چھوٹی چڑیوں دنوں کی لڑائی کے مقابلے سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔

ایک نظم میں انہوں پتنگ کے پیچ لڑانے میں اپنی مہارت کا ثبوت اس طرح دیا ہے۔

اگر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں دیکھو
رہ رہ کے اس طرح سے نہ اب دیجئے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں اومیاں رکھو
پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اس کو کاٹ دو
رہے گا اسی میں فتح کا پ انا پتنگ کا

زمانہ شباب میں نظیر تہواروں اور میلوں ٹھیلوں میں خواہ موسمی ہوں، مذہبی ہوں یا سماجی ہوں جوش و خروش سے حصہ لیتے تھے خواہ وہ کسی مذہب اور کسی فرقے کے ہوں۔ تہوار کی خوشیاں منانے اور ان سے لطف اندوز ہونے میں وہ بھید بھاؤ کے قائل نہ تھے۔ آگرہ میں ہر سال موسم برسات میں پیراکی کے مقابلے ہوتے۔ نظیر اس میں شریک ہوتے۔ نظم آگرہ کی تیراکی، میں انہوں نے دریائے جمنا میں تیرنے

والوں کے کرتبوں کا ذکر نہایت دلکش انداز میں کیا ہے۔

تربینی میں اہاہا ہوتی ہیں کیا بہاریں

خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں پیراک کی قطاریں
پیریں نہاویں، اچھلیں ،کودیں لڑیں ،پکاریں
لیتے وہ چھینٹ غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں
کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صاف سوتے
کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اُڑاتے کتنے سوئی پروتے
لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

2.3 تعلیم

ماں باپ کے لاڈ پیار اور چاو چوز کے باوجود نظیر کو پڑھنے لکھنے کا شوق اور رغبت تھی۔ پروفیسر محمد عبد الغفور شہباز نے 'زندگانی بے نظیر' کے عنوان سے نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے نظیر کے کلام ہی سے اخذ کر کے ان کی تعلیم کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب نظیر چار سال کے ہوئے تو رواج کے مطابق ان کی بسم اللہ کی رسم ادا کی گئی۔ یہ بڑی دھوم دھام سے منعقد کی گئی۔ رشتہ دار اور اڑوس پڑوس کے لوگوں کو دعوت کی گئی۔ بچے زرق برق پوشاکیں اور چمکدار زیورات پہن کر خاص تعداد میں جمع تھے۔ نظیر کو بھی نئے کپڑے پہنائے گئے اور انھیں خوب بنایا سنوارا گیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے تسمیہ خوانی کروائی۔

بسم اللہ خوانی کی رسم کے بعد نظیر کو مکتب میں داخل کیا گیا۔ یہاں نظیر نے پہلا قاعدہ ختم کیا پھر استاد نے پارہ عم شروع کروایا۔ دونوں موقعوں پر استاد کو انعام دیا گیا اور بچوں میں مٹھائی تقسیم ہوئی۔ نظیر پارہ عم بھی جلد ختم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ناظرہ قرآن کے ساتھ فارسی درسیات کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے سعدی کی کریما پڑھائی گئی اس کے بعد مامقیماں، خسرو کی خالق باری (اردو فارسی لغت)، محمود نامہ، عطائی نامہ اور آمد نامہ کی تعلیم دی گئی۔ نظیر نے کچھ ہی مدت میں فارسی درسیات کی تمام کتابیں جیسے نصاب الصبیان (ابو النصر فراہی) گلستاں، بوستاں (سعدی) مثنوی یوسف زلیخا، سکندر نامہ (نظامی) انشائے خلیفہ، انشائے منیر، انشائے ہرکرن، (مضمون نگاری سکھانے والی

چاروں اہم کتابیں) بہار دانش (ابو لفضل) سہ نثر ظہوریؔ، مینا بازار، دیوان غنی کاشمیری، قصائد عرفی، قصائد خاقانی، قصائد ظہیر فاریابی، تحفۃ العراقین (خاقانیؔ) قرآن السعدین (امیر خسرو) وغیرہ کچھ ہی مدت میں تمام کرڈالیں۔ اس کے بعد عربی درسیات کا آغاز کیا گیا لیکن اس میدان میں وہ چل نہ سکے اور صرف و نحو سے آگے قدم نہ بڑھایا۔ شاید ایک آدھ منطق کا رسالہ بھی پڑھا ہو گا۔ یوں وہ عربی میں کوئی خاص لیاقت حاصل نہ کر سکے۔ ان کے کلام سے پتہ نہیں چلتا کہ دینی علوم سے وہ کتنے واقف تھے، لیکن اس میں شک نہیں کہ فارسی میں انھیں اچھی خاصی استعداد حاصل تھی۔ فارسی کی درسی کتابوں کے علاوہ فارسی کی اکثر مشہور تصانیف اور اکثر مشہور شعرا کے کلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ حافظ، خسرو، جامی، صائب، سعدی، وحشی، خاقانی، فردوسی، انوری وغیرہ شعرا کے کلام سے اچھی طرح واقف تھے۔

نظیر کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ سات آٹھ زبانیں جانتے تھے جن میں اردو، فارسی اور عربی کے علاوہ پنجابی، برج بھاشا، اودھی اور مارواڑ شامل ہیں۔ نظیر کے بعض سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ وہ سنسکرت بھی جانتے تھے۔ نظیر نے ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان "خمسہ ہفت زبان" ہے۔ اس میں انہوں نے سات زبانیں استعمال کی ہیں۔

نظیر کو خطاطی سے بھی دلچسپی تھی۔ انہوں نے بڑی محنت اور مشق سے اس فن میں مہارت حاصل کی تھی۔ مختلف علوم وفنون میں ان کے عام معلومات نہایت وسیع تھے اور ہر شعبہ علم میں تھوڑی بہت واقفیت ضرور رکھتے تھے۔ چنانچہ رمل، نجوم، ہندسہ اور موسیقی سے شغف رکھتے تھے۔ ان کی شاعری میں ان سارے علوم کا ذکر ملتا ہے۔ اس زمانے کے دیگر علوم مثلاً علم ہیئت، طب، معانی وبیان سے بھی نظیر خاص واقفیت رکھتے تھے۔ ان کی شاعری میں ہمیں منطق، فلسفہ، کلام اور عقائد جیسے علوم کی اصطلاحیں ملتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے فضلا کی صحبت میں بیٹھ کر ان کا علم حاصل کیا تھا۔

نظیر کے زمانے میں تعلیم مختلف علوم وفنون کا مجموعہ تھی۔ اس کا بنیادی مقصد طالب علم کو کسی بادشاہ یا رئیس کا مصاحب یا فوجی بننے کے قابل بنانا یا اسے مصنف کی حیثیت سے تیار کرنا ہوتا تھا۔ ایک اوسط درجے کے طالب علم کو نہ صرف درسی کتابوں بلکہ تلوار بازی، کشتی، گھوڑا سواری، نیزہ بازی اور بنوٹ جیسے سپہ گری کے فن بھی سیکھنے پڑتے تھے۔ نظیر نے سپہ گری اور پہلوانی کے فن میں ریاضت بھی کی اور ہر ایک میں کچھ کچھ مہارت بھی حاصل کی۔ ورزش کی تو انھیں یہاں تک عادت پڑ گئی تھی کہ بوڑھے ہونے کے باوجود اس معمول کو نہ چھوڑا۔ ورزش کی اسی عادت کی وجہ سے بڑھاپے میں بھی دم خم باقی تھے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر
اور جھریاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میداں میں زور جاکر
رستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے

نظیر کشتی اور پہلوانی کے داؤ پیچ، مختلف ہتھیاروں کے ناموں ان سے وار کرنے کے طریقوں، ان کی ضرب اور کاٹ سے خوب واقف تھے۔ ان کی بعض نظموں جیسے 'بلبلوں کی لڑائی'، 'ریچھ کا بچہ' وغیرہ کے بیان میں جو بند کشتی سے متعلق آئے ہیں ان میں پہلوانی کا ذوق

کوٹ کوٹ کا بھرا محسوس ہوتا ہے۔ان میں الفاظ اور ترکیبیں سب کشتی اور اکھاڑے کے فن سے مناسبت رکھتی ہیں۔ نظیر کی عاشقانہ نظموں میں بھی اسلحہ اور پہلوانی کا ذکر ملتا ہے۔

دیکھا جو حسن بھاری شہ زور یا جباڑا
تو پہلوان بن کر کھودا وہیں اکھاڑا
ڈنڈ پیل، بھان مگدر، لیزم سے خم کو جھاڑا
اس پینچ سے ہی گل رو بیٹھے کودھر پچھاڑا
سومکروفن بنانا، سورنگ روپ بھرنا
عاشق کوہر طرح سےخوباں کی دید کرنا

نظیر کی شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن دنوں ان کی اٹھتی جوانی تھی وہ آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔جوانی کے زور میں کچھ دنوں یہ بانکے بھی بنے رہے۔شہر کے بانکوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ان کی سنگت میں رہ کر انہوں نے بانکوں کے انداز اور بانکوں کے محاورے سیکھے۔ان دنوں کا حال وہ یوں لکھتے ہیں:

بانکے بھی ہوکے ہم نے اس دید کواڑایا
شمشیر اور سپر کوایک عمر کھڑکھڑایا
بانک وپٹا و بلم ،گد کا و لٹھ پھرایا
جھمکا تمہارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کوآگئےہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری روآنکھیں لڑالے ہم سے

2.4 پیشہ

یوں تو نظیر علم وفضل کی دولت سے مالامال تھے لیکن انھوں نے کہیں مستقل ملازمت نہیں کی۔انھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ معلمی یعنی بچوں کو پڑھانے میں گزارا۔کہا جاتا ہے کہ بھرت پور کے راجا نے انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی لیکن وہ نہیں گئے۔کچھ دنوں تک متھرا میں لڑکے پڑھانے کی نوکری کی پھر آگرہ لوٹ آئے۔یہاں ایک مرہٹہ سردار "بھاؤ"قلعدار تھا۔اس نے نظیر کو بلایا اوران سے پڑھنا شروع کیا۔یہاں سے فراغت ملی تو نواب محمد علی خان کے بچوں کو پڑھانے پر مقرر ہوئے جو امرائے آگرہ سے تھے۔یہیں نظیر کا تعارف لالہ بلاس رائے کھتری سے ہوا۔جب نواب کے یہاں سے علاحدہ ہوئے تو بلاس رائے کے بچوں کو تعلیم دینے لگے۔بلاس رائے کے چھے لڑکے تھے جن کے نام اس طرح تھے:موہن سکھ رائے، گربخش، ہربخش، مول چند، ہنسی دھر اور شنکر داس۔ نظیر کو ان بچوں کی تعلیم و تدریس کے صلے ستر روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔بلاس رائے کا مکان محلہ مائی تھان میں تھا۔نظیر اپنے چہیتے ٹٹو پر سوار ہو کر تاج گنج سے مائی

تھان آتے تھے۔ بلاس رائے نے ان کی بڑی قدردانی کی۔ کہاجاتا ہے کہ اس نے نظیر کی جملہ ضروریات کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ راجہ اوران کے بچوں سے نظیر کو گہرا لگاؤ تھا۔ ان کے لیے انھوں نے بہت سی نظمیں لکھیں۔ راجہ بلاس رائے کے فرزندوں نے جو نظیر کے سعادت مند شاگرد تھے نظیر کی ان نظموں کو جمع کر کے دیوان کی شکل میں شائع کروایا جس سے نظیر کے کلام کا بہت سا حصہ محفوظ ہو گیا۔ چونکہ نظیر کی زندگی درس و تدریس میں گزری اس لیے ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں چند اہم نام یہ ہیں:

میر قطب الدین باطنؔ، شیخ مداری ضمیرؔ، خود نظر کے فرزند گلزار علی السیر، مہاراجہ بونت سنگھ (والی کاشی) راجہ بد سین صافیؔ، کلیم میر محمدی ظاہر، شیخ حسین بخش بخشیؔ، شیخ نبی بخش عاشقؔ، منشی حسین علی خاں ماہ، بیدار بخش لہر وغیرہ میر قطب الدین باطن نے اپنے تذکرہ "گلستانِ بے خزاں" میں مرزا غالبؔ کو بھی نظیر کے شاگردوں کی فہرست میں شامل کیا لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

شادی:

نظیر کی شادی دہلی کے ایک شاہی عہدیدار عبد الرحمٰن خاں چغتائی کی نواسی اور محمد رحمٰن کی دختر تہور النسا بیگم سے ہوئی تھی۔ انھیں دو اولادیں ہوئیں۔ لڑکا خلیفہ گلزار علی اور لڑکی امامی بیگم۔ ان کی نواسی ولایتی بیگم عرف بیگم جان تھیں جن کے ذریعے نظیر کی زندگی کے متعلق بعض معلومات دنیا کے سامنے آئے۔

وفات:

نظیر نے نہایت طویل عمر پائی۔ ضعیفی میں بھی ان کے قویٰ مضبوط تھے اور بینائی بھی اچھی تھی۔ انہیں عینک کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ وہ عینک کی مدد کے بغیر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ گو ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ لیکن اس سے سنبھل گئے لیکن 1246ھ (1830ء) میں اسی مرض کے اثر سے انہوں نے انتقال کیا۔ ان کی وفات پر مسلمانوں کے فرقوں نے اپنے اپنے طریقے پر نماز جنازہ ادا کی اور جنازے کی چادر ان کے ہندو شاگرد تبرکاً لے گئے اور اپنے عقیدہ کے مطابق آخری رسومات انجام دیں۔

نظیر کو آگرہ میں تاج محل کے قریب محلہ تاج گنج میں خود ان کے مکان کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔ شاگردوں نے ان کی قبر پختہ بنائی۔ ہندو شاگردوں نے سوئم کے دن قبر پر میلہ کیا۔ آج بھی نظیر کی یاد میں ہر سال ایک جشن منایا جاتا ہے۔ مختلف ہنر اور پیشوں کے لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں۔ بسنت کے تہوار پر جس سے موسم سرما کا خوش گوار آغاز ہوتا ہے نظیر کے مزار پر موسیقار، مغنّیوں، عمر رسیدہ اداکار، دکاندار، آزاد خیال لوگ سب ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ محلہ تاج گنج کے قبرستان میں ہر سال یہ مجمع دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ اپنے محبوب شاعر سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں اور اپنے لگاؤ کا اظہار نظیر کی نظمیں گا کر کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اس یادگاری میلے کا انتظام کوئی انجمن نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی ادارہ چندہ جمع کرتا ہے۔

نظیر کی تصانیف:

نظیر نہایت پر گو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ان کے کلیات میں غزل، مخمس، مسدس، تضمن، واسوخت شہر آشوب، ترکیب ہند، ترجیع بند، قطعہ، رباعی، قصیدہ، مثنوی، نظم وغیرہ ہر صنف میں ان کا کلام ملتا ہے۔ انہوں نے انجمن پنجاب کی نظم نگاری کی تحریک سے بہت پہلے ہی دنیا بھر کے موضوعات پر نظمیں لکھ لکھ کر اردو میں نظم نگاری کی روایت کو مستحکم

کیا۔ نظیر کو جس قدر لکھنے کا شوق تھا اس قدر اپنے کلام کو جمع کرنے کا اہتمام نہیں تھا۔ کوئی تقریب پیش آئی دل میں خیال پیدا ہوا لکھا اور پھینک دیا۔ دوست اور شاگرد اٹھا کر لے گئے اور تبرک سمجھ بیاض میں نقل کیا لیکن اس کے باوجود نہ معلوم کتنا کلام ضائع ہو گیا۔ نہ معلوم کتنا کلام دوسروں کو بخش دیا۔ فقیر اور قلندر آتے اور اپنے مطلب کی نظمیں لکھوالے جاتے۔ خوانچ والے، پھیری والے اپنا سودا بیچنے کے لیے صدائیں لکھوالے جاتے۔ چھوٹے چھوٹے بچے آتے اور فرمائش کے مطابق اشعار کہلوا کر لے جاتے۔ ظاہر اس سارے سرمائے کا بہت کم حصہ محفوظ رہا ہو گا۔ نظیر کی دستیاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ کلیات نظیر: مختلف اوقات میں مختلف مطبعوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں جنھیں الگ الگ محققوں نے مرتب کیا ہے۔

2۔ دوار دو دیوان : انھیں مرزا فرحت اللہ بیگ نے مرتب کر کے ایک جلد میں انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام شائع کروایا۔

3۔ فارسی دیوان : یہ دیوان باوجود کوشش کے کسی کو نہیں ملا۔

4۔ فارسی میں نثری تصانیف: نظیر کے شاگرد میر قطب الدین باطن نے اپنے تذکرے "گلستانِ بے خزاں" میں اطلاع دی ہے کہ نظیر کی نو فارسی نثری تصانیف تھیں۔ انہوں نے ان میں سے سات کے نام دیے ہیں۔

5۔ جوگی نامہ اور جوگن نامہ 6۔ شیخ سعدی کی نظم کریما کی تصنیف:

7۔ لیلی مجنوں : 8۔ فہم قرین: اردو انشا سکھانے کی کتاب

9۔ نظیر کا بہت سا کلام مختلف لوگوں کی نجی بیاضوں میں درج ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

2.5 شخصیت

نظیر کی شخصیت ظاہری اور باطنی اعتبار سے بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ وہ سادہ لیکن وضعدار اور پر وقار زندگی گزارتے تھے۔ ذیل میں ان کی شخصیت کے اہم اوصاف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حلیہ: نظیر کا قد درمیانہ رنگ گندمی (سانولا) پیشانی کشادہ، آنکھیں روشن، ناک بلند، ٹھوڑی کے بال صاف، مونچھیں بڑی بڑی، لمبے لمبے بال اور آنکھوں اور ابروؤں کے درمیان مسّے کی طرح ایک تل تھا۔ ظاہری اعتبار سے ان میں کوئی عیب نہ تھا۔ خود نظیر نے اپنے بارے میں جو لکھا ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں:

کہتے ہیں جس کو نظیر، سینے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب، بزدل و ترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ آب وناں
فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اسے
فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این وآں

سست روشن ،پست قد، سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مسے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ او رابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی لِسپہ تھا ریش
مونچھیں تھیں اورکانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں
پیری میں جس طرح تھی اس کودل افسردگی
ویسی ہی تھیں اوردنوں جن دونوں میں تھاجواں

لباس: نظیر آزاد منشن اور قلندر مزاج انسان تھے۔ان کالباس وہی تھاجو محمد شاہ کے زمانے میں دہلی میں رائج تھا۔تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ کھڑکی دار پگڑی باندھتے، گاڑھے کاانگرکھا،سیدھا پردہ نیچی چولی کاپہنتے،اس کے نیچے ایک برکاپائجامہ پاؤں میں اور گھیتلی جوتی پہنتے تھے۔عام طور پر وہ چاندی کے دستے والی چھڑی استعمال کرتے تھے۔انگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں پہنتے تھے۔

غذا: نظیر کی جوانی کی غذا کاپتہ نہیں ممکن ہے سب چیزیں شوق سے کھاتے ہوں گے مگر بڑاپے میں میٹھے چاول اور کھچڑی نہایت رغبت سے کھاتے تھے اور بہت پسند کرتے تھے۔گھی آدھ سیر روز کھاتے۔انھیں گلگلے اور چیلے بھی پسند تھے۔پھلوں میں خربوزہ، آم، شریفہ یہ چند پھل تھے جنھیں نظیر بڑے شوق سے کھاتے تھے۔نظیر نے کبھی افیون کھائی نہ شراب کوہاتھ لگایا۔صرف حقّہ پیتے تھے اور کثرت سے پیتے تھے۔

بیٹھک: محلہ تاج گنج میں واقع نظیرؔ کے مکان کے کشادہ صحن میں شمال کی جانب نیم اور بیری کے دوسایہ دار درخت۔انھیں کے نیچے بوریے پر بیٹھ کر نظیر بچوں کو پڑھاتے اوروہیں دوست احباب،عقیدت مندوں اور شاگردوں سے ملاقات کرتے۔غزلوں پر اصلاح دیتے اور اپناکلام بھی سناتے۔یہی گویااس مرد فقیر کی بیٹھک (دیوان خانہ) تھی۔انھوں نے وفات بھی انھیں درختوں کے تلے پائی اور دفن بھی وہیں ہوئے۔

عام اخلاق: نظیر نہایت مرنجاں مرنج،وسیع النظر،کشادہ دل اور درویش صفت انسان تھے۔ہر مذہب اور ہر مسلک کے لوگوں سے ان کی دوستی تھی۔وہ بلالحاظ مذہب وملت آگرے کے تمام باشندوں میں مقبول تھے۔وہ نہایت خوش مزاج،بذلہ سنج،زندہ دل، چٹکلے باز لیکن نیک طینت اور مخلص واقع ہوئے تھے۔ان کی طبیعت میں انکساراور تواضع تھا۔وہ ہر ایک سے نہایت محبت اور خلوص سے پیش آتے تھے۔دوستی اور محبت کے تقاضوں کو پوراکرنے کاانھیں بڑاخیال رہتاتھا۔وہ عوامی شاعر تھے اس لیے عوام کے ہر طبقے کے لوگ ان کے پاس آتے اوران کی پر لطف گفتگو اور چٹکلوں سے محظوظ ہوتے تھے۔

توکل اور قناعت پسندی نظیر کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔مختلف ریاستوں کے حاکموں نے انھیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی لیکن نظیر نے آگرہ نہیں چھوڑا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مال ودولت کی ہوس نہیں تھی۔ان کے والد جو عظیم آباد میں کسی نواب کے ملازم تھے وہیں انتقال کرگئے۔نواب نے نظیر کو لکھاکہ آپ کے والد جومال چھوڑگئے ہیں وہ محفوظ ہے۔آیئے اوراسے لے جایئے۔نظیر نے لکھاکہ مال کے لیے مارامارا پھرنا مجھ سے نہ ہو گا۔آپ وہ سارامال وہیں خیرات کردیجئے۔اس واقعے سے بھی نظیر کے استغنااور

سیر چشمی کا پتہ چلتا ہے۔

نظیر کے کردار کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے نہ تو کسی راجہ، نواب حاکم یا رئیس کی مدح میں قصیدہ لکھا نہ کسی کی ہجو کی۔ نظیر نے بزرگان دین کی شان میں نظمیں اور قصائد لکھے لیکن انعام یا صلے کی تمنا میں کسی دنیاوی شخصیت کی مدح نہیں کی۔

اسی طرح نظیر نے کسی کی تضحیک یا ہجو بھی نہیں کی حالانکہ ان کے زمانے میں ہجو گوئی کا عام رواج تھا اور یہ کوئی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اسے قریب قریب ایک فن کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ سودا تو اس فن کے امام تھے ہی ان کے علاوہ میرؔ، جرات، مصحفی، انشا جیسے شاعروں نے ہجوئیں لکھیں لیکن نظیر نے باوجود اس کے کہ ان کی طبیعت میں شوخی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی کبھی اپنے فن کو ہجو گوئی سے آلودہ نہیں کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مزاج کینہ کپٹ سے پاک تھا۔ وہ اپنے دل میں کسی کی عداوت یا رنجشوں کو پالتے نہیں تھے۔ صلح کل ان کا مسلک تھا۔ سید محمد عبد الغفور شہباز جنھوں نے "زندگانی بے نظیر" کے نام سے نظیر کی سوانح عمری لکھی ہے نظیر کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "نظیر کے مزاج میں حلم بہت تھا۔ لاکھ خلاف مزاج بات ہو، ماتھے پر بل نہیں۔ بہت کم لوگوں نے ان کو غصہ ہوتے ہوئے دیکھا جس بزم میں بیٹھتے اخلاق کو نور سے شمع انجمن معلوم ہوتے۔ نادرہ سنج ایسے بڑے تھے کہ کوئی بات لطیفہ سے خالی نہ تھی۔ انجمن کو اپنی لطافت سے شگفتہ کر دیتے تھے۔ جود واحسان میں بھی بڑا رتبہ رکھتے تھے۔ پاس پڑوس میں جو غریب غربا تھے ان کی اکثر خبر گیری فرماتے تھے۔ محتاج کو دیکھ کر ان کا دل دکھ جاتا۔ کسی سائل کو خالی نہ پھیرتے تھے"

(زندگانی بے نظیر، دہلی 1981ء ص148)

نظیر کو بچوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ بچے ان کو گھیرے رہتے تھے اور ان سے یہ ہنستے بولتے تھے اور ان کے بہلانے کو بہت ہی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ آگرے میں ان کے مکان کے آس پاس جولاہے بہت آباد تھے۔ ان کے بچے ان کو آن کے گھیر لیا کرتے تھے۔ ان کی خاطر سے اکثر یہ کچھ تفریح کی نظمیں بھی لکھ دیا کرتے تھے جیسے گلہری کا بچہ، بیا، ریچھ کا بچہ وغیرہ۔

جہاں تک مذہب و مسلک کا تعلق ہے نظیر نسبتاً قریشی تھے۔ ان کے والد محمد فاروق سنّی تھے اور والدہ شیعہ۔ نظیر امامیہ مسلک کے پیرو تھے۔ لیکن روادار اور صلح کل کے آدمی تھے کسی سے تعصب نہیں کسی سے جھگڑا نہیں وہ ہر مذہب و فرقے کو عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ فقراء کی صحبت کے اثر سے صوفی منش اور وحدت الوجودی خیالات کے حامل ہو گئے تھے۔ اس لیے مذہب و مسلک کی بنیاد پر کسی سے بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے ہولی بھی کھیلی اور رمضان کے روزے بھی رکھے۔ دیوالی میں چراغ روشن کیے تو شب برات میں مہتابیاں چھوڑیں۔ سلونوں میں راکھی بندھوائی تو محرم میں عزاداری بھی کی غرض یہ کہ وہ ہندوؤں میں ہندو تھے اور مسلمانوں میں مسلمان۔ انہوں نے حمد و نعت اور بزرگان دین کی منقبت لکھی تو کنہیا کا جنم اور مہادلوں کا بیاہ جیسے ہندوؤں کے مذہبی موضوعات پر بھی بڑی دھوم کی نظمیں لکھیں اور سکھوں کے گرو بابا نانک صاحب کو بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ وہ تعزیہ داری بھی کرتے تھے اور شیخ سلیم چشتی کی عقیدت

میں نظمیں بھی لکھتے اورابو العلائی سلسلہ تصوف کے پیشواسید ابو لعلائی اکبر آبادی کی درگاہ میں حاضری بھی دیتے تھے۔ کسی کے مرید نہیں تھے لیکن جب مولانا فخر الدین دہلوی جو دہلی کے اکابر مشائخ میں تھے آگرہ آئے تو نظیر اپنے دوست میر محمدی بیدار (شاگرد خواجہ میر درد دہلوی) کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران سے فیض یاب ہوئے۔

اگرچہ نظیر کے عہد میں جمہوریت، مساوات اور قومی یکجہتی جیسے تصورات نہیں تھے لیکن نظیر کے فکر وفن اوران کی شخصیت میں عوامی زندگی کے مسائل وموضوعات رواداری، وسیع المشربی انسانی بھائی چارہ اور قومی یکجہتی کے عناصر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتے دمکتے نظر آتے تھے۔

2.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظیر اکبر آبادی کی پیدائش بڑی منتوں مرادوں کے بعد 1735 میں دہلی میں ہوئی۔
- ان کے والد شیخ محمد فاروق عظیم آباد پٹنہ میں کسی نواب کے یہاں ملازم تھے۔
- احمد شاہ ابدالی کے حملے کے خوف سے نظیر کے گھر والوں نے دہلی سے آگرہ کو ہجرت کی۔
- نظیر کا بچپن بڑے لاڈ پیار سے گزرا اس دور میں عیدوں اور تہواروں میں بڑی رونق ہوتی تھی۔
- بسم اللہ کی رسم کے بعد نظیر کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد انہوں نے فارسی درسیات کی تعلیم حاصل کی۔
- علما اور فضلا کی صحبتوں میں نظیر متعدد علوم کے بارے بنیادی معلومات حاصل کیں۔
- وہ آٹھ زبانیں جانتے تھے۔ خطاطی، گھڑ سواری، بانک اور کشتی کے فن سے واقف تھے۔
- نظیر نے کسی بادشاہ یا امیر کی ملازمت نہیں کی۔ انہوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔
- نظیر کی شادی تہورالنسا بیگم سے ہوئی جن سے دو اولادیں ہوئیں۔ لڑکا گلزار علی لڑکی امامی بیگم۔
- 1830 میں نظیر کا فالج کے مرض میں انتقال ہوا۔ خود ان کے مکان کے صحن میں تدفین عمل میں آئی۔
- نظیر کا اردو کلیات اور دو دیوان دریافت اور شائع ہوئے ہیں۔ فارسی دیوان لاپتہ ہے۔
- فارسی نثر میں بھی ان کے کچھ رسالے ملتے ہیں۔ ایک اردو رسالہ بھی ہے۔
- نظیر کا قد درمیانہ اور رنگ گندمی تھا۔ مونچھیں بڑی بڑی رکھتے اور ٹھوڑی کے بال صاف کرتے تھے۔ لمبے لمبے بال کوں تک آتے۔ آنکھوں اور ابروؤں کے درمیان بڑا سا تل تھا۔
- نظیر کھڑکی دار پگڑی باندھتے، گاڑھے کا انگرکھا نیچی چولی کا ایک برکا پائجامہ پہنتے۔ پاوں گھیتلی جوتی اور ہاتھ میں چاندی کے دستے والی چھڑی ہوتی۔ انگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں پہنتے تھے۔
- انھیں میٹھے چاول اور کھچڑی نہایت مرغوب تھی۔ پھلوں میں خربوزہ، آم اور شریفہ پسند تھے۔

- نظیر نہایت مرنجاں، مرنج، وسیع النظر، کشادہ دل اور درویش صفت انسان تھے۔
- ان میں مذہب یا مسلک کا تعصب نام کو نہ تھا۔ وہ ہر ایک سے محبت سے پیش آتے تھے۔
- وہ نہایت خوش مزاج، بذلہ سنج اور چٹکلے باز انسان تھے۔
- ان کی طبیعت میں توکل اور قناعت پسندی تھی۔ مالی فائدے کے لیے انہوں نے کسی کا قصیدہ نہیں لکھا۔
- نظیر کو بچوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ انہوں نے بچوں کے لیے کئی نظمیں لکھیں۔
- وہ میلوں ٹھیلوں، سیر تماشوں اور کھیل کود کے شوقین تھے۔ وہ ہندوؤں کے میلوں اور جنم اشٹمی ہولی بسنت وغیرہ میں شریک ہوتے۔ انھوں عیدوں، تہواروں اور کھیل تماشوں پر مزیدار نظمیں لکھی ہیں۔

2.7 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
اشرافیہ	:	اعلیٰ طبقہ، اونچا طبقہ
حظ	:	خوشی
ذریعہ معاش	:	وہ چیز جس سے زندگی بسر کی جائے جیسے ملازمت، تجارت
خلفشار	:	افراتفری، بدنظمی
بذلہ سنج	:	خوش مزاج
خلقت	:	پیدائش، مخلوق، لوگ
کلام	:	اسلامی علوم کی ایک شاخ، دینی عقائد کے دفاع کا علم
فلسفہ	:	کائنات، خالق کائنات، انسان اور زندگی کے دقیق مسائل کا علم
منطق	:	بحث کے قاعدوں کا علم
فضلا	:	فاضل جمع، بہت زیادہ تعلیم یافتہ
لیزم	:	ورزش، کسرت کا ایک آلہ
بھان یابان	:	ایک قسم کا ہتھیار، آتشی تیر
بانکے	:	بانک کے فن میں ماہر، وہ لوگ جو عجیب وضع میں رہتے، جسمانی طاقت کا مظاہرہ کرتے
سِپر	:	ڈھال ہتھیار لگائے اینٹھتے پھرتے اور ہر وقت مرنے مارنے پر تیار رہتے۔
بانک	:	ایک قسم کی چھری جو نوک کے قریب خمدار ہوتی ہے
پٹّا	:	دودھاری تلوار، لاٹھی، عصا

بلّم	:	برچھا۔ بھالا
گدکا	:	لکڑی کا سونٹا
این وآں	:	یہ اور وہ (تھوڑا بہت)
تسپہ	:	اُس پر
پنبہ ساں	:	روئی کی طرح
مرنجاں مرنج	:	وہ شخص جو کسی کو تکلیف نہ دے
طینت	:	فطرت۔ خصلت
توکل	:	خدا پر بھروسہ کرنا
قناعت	:	تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ حرص نہ کرنا
نادرہ سنج	:	باریک معنیٰ سمجھنے والا
جود	:	بخشش، سخاوت

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی (b) آگرہ (c) لکھنو (d) عظیم آباد

2۔ نظیر کے والد کا نام کیا تھا؟

(a) سلطان خاں (b) محمد رحمٰن (c) محمد فاروق (d) اختر خاں

3۔ نظیر کس راجا کے بچوں کو پڑھاتے تھے؟

(a) بلوان سنگھ (b) بھاؤ (c) راجہ بدھ سین (d) لالہ بلدس رائے

4۔ نظیر کا انتقال کب ہوا؟

(a) 1830 (b) 1831 (c) 1832 (d) 1833

5۔ نظیر نے کس صوفی بزرگ کی شان میں نظمیں لکھیں؟

(a) بابا فرید گنج شکر (b) خواجہ نظام الدین (c) شیخ سلیم چشتی (d) بندہ نواز گیسو دراز

6۔ نظیر کس پیشے سے وابستہ تھے؟

(a) تجارت (b) حکمت (c) معلمی (d) سپاہی گیری

7۔ زندگانی بے نظیر کے نام سے نظیر کی سوانح کس نے لکھی ہے؟

(a) سلیم جعفر (b) محمد عبدالغفور شہباز (c) مخمور اکبر آبادی (d) محمد حسن

8۔ نظیر کے شاگرد قطب الدین باطن نے کون سا تذکرہ لکھا؟

(a) گلشن بے خار (b) گلشن ہند (c) گلزار خلیل (d) گلستان بے خزاں

9۔ نظیر کے فرزند کا نام کیا تھا؟

(a) گلزار علی (b) دلدار علی () فیض علی (d) شمشیر علی

10۔ نظیر کے گھر کے صحن میں دو درخت تھے ایک بیری کا اور ایک.....کا؟

(a) آم (b) نیم (c) املی (d) ببول

2.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ بچپن میں نظیر کی وضع قطع لڑکیوں جیسی کیوں بنائی گئی تھی؟

2۔ نظیر کے گھر والوں نے دہلی سے آگرہ کو ہجرت کیوں کی؟

3۔ نظیر کے بچپن کی عیدوں اور کھیل تماشوں کا حال لکھیے۔

4۔ نظیر کون کون سی زبانوں سے واقف تھے؟

5۔ نظیر کی بیٹھک کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں لکھیے۔

2.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر کی ابتدائی زندگی، ماحول اور مصروفیات پر جامع نوٹ لکھیے۔

2۔ نظیر کی تصانیف پر روشنی ڈالیے۔

3۔ نظیر کے اخلاق کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں تحریر کیجئے۔

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ زندگانی بے نظیر — سید محمد عبدالغفور شہباز

2۔ کلیات نظیر اکبر آبادی — مرتبہ: مولوی عبدالبار آسی

3۔ نظیر اکبر آبادی (مونوگراف) — محمد حسن

4۔ دیوان نظیر اکبر آبادی — فرحت اللہ بیگ

2.8.1 کے جوابات:

a-1	c-2	d-3	a-4	c-5
c-6	b-7	d-8	a-9	b-10

اکائی 3 : نظیر اکبر آبادی کے ادبی معاصرین

اکائی کے اجزا

3.0		تمہید
3.1		مقاصد
3.2		نظیر اکبر آبادی کا عہد
	3.2.1	نظیر کے عہد کا سیاسی و سماجی پس منظر
	3.2.2	نظیر اکبر آبادی کے عہد کا ادبی رجحان
3.3		نظیر اکبر آبادی کے ادبی معاصرین
	3.3.1	میر تقی میر
	3.3.2	محمد رفیع سودا
	3.3.3	خواجہ میر درد
	3.3.4	غلام ہمدانی مصحفی
	3.3.5	میر حسن
	3.3.6	انشااللہ خاں انشا
3.4		اکتسابی نتائج
3.5		کلیدی الفاظ
3.6		نمونہ امتحانی سوالات
	3.6.1	معروضی سوالات
	3.6.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	3.6.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
3.7		تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

انیسویں صدی کا دور ہندوستان کی تاریخ میں سیاسی، سماجی اور معاشی زوال کا دور تھا۔ اس دور میں ہندوستانی سماج میں شدید انتشار اور انسانی زندگی کے ہر شعبے میں عدم استحکام، افراتفری اور زوال کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ شہر دہلی اس دور میں مسلسل بیرونی حملوں کی زد میں رہا اور اس شہر نے تاریخ کا بدترین دور دیکھا۔ اس عرصے میں رونقوں اور محفلوں سے آراستہ یہ شہر کئی بار اجڑا اور تباہ ہوا۔ اردو شعر وادب میں اس دور کے حالات، سماجی سیاسی اور معاشی صورت حال کی ترجمانی ملتی ہے۔ انیسویں صدی اگرچہ سیاسی اور سماجی اعتبار سے بدحالی اور انتہائی زوال کا دور رہا، لیکن اردو زبان اور شعر و ادب کے اعتبار سے یہ دور ترقی اور عروج کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں اردو زبان و ادب کو اس عہد میں خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ خاص طور سے اردو شاعری میں نمایاں ترقی ہوئی۔ مختلف اصناف شعر اردو شعر و ادب کے منظر نامے پر ظاہر ہوئیں اور ان کے خد و خال مرتب ہوئے۔ کئی اصناف شعر حاشیے سے نکل کر ادب میں مرکزی حیثیت اختیار کر گئیں۔ غزل، قصیدہ، مرثیہ جیسی اصناف شعر نے اسی دور میں سب سے زیادہ عروج حاصل کیا۔ نظم اسی عہد میں ایک مستقل صنف کی حیثیت سے ظاہر ہوئی اور شعری اظہار کا اہم وسیلہ بن گئی۔ نظیر اکبر آبادی نے نظم پر توجہ دی اور اردو شاعری میں ایک مختلف راستہ ہموار کیا۔ نظیر کے ہم عصر شاعروں میں میر تقی میر، سودا، درد، مصحفی، انشا، میر حسن وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

اس اکائی میں آپ نظیر اکبر آبادی کے عہد، ان کے عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشی صورت حال، ان کے عہد کے ادبی رجحان اور ان کے ادبی معاصرین کا مطالعہ کریں گے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظیر اکبر آبادی کے عہد کو جان سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کے فن سے واقف ہو سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کے عہد کے ادبی رجحان سے واقف ہو سکیں۔
- میر، سودا اور درد کی شاعری کو سمجھ سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کے معاصرین اور ان کے فن سے واقف ہو سکیں۔
- انیسویں صدی کی سیاسی، سماجی اور معاشی صورت حال سے واقف ہو سکیں۔

3.2 نظیر اکبر آبادی کا عہد

3.2.1 نظیر کے عہد کا سیاسی اور سماجی پس منظر:

اٹھارویں صدی کا عہد ہندوستانی سیاست اور قتدار کی بدحالی کا دور تھا۔ مغلیہ حکومت روز بروز کمزور تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کمزوری

کے سبب دہلی پر بیرونی طاقتیں گدھ کی طرح نظریں گڑائے ہوئے تھیں اور شکار سمجھ کر پے در پے حملہ آور ہو رہی تھیں۔ یہ دور دہلی کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ 1739ء میں نادر شاہ نے دہلی کو پوری طرح سے تاراج کر دیا تھا۔ اس حملے میں ظلم و بربریت اور قتل و غارت کا وحشیانہ کھیل کھیلا گیا۔ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی ایسی مثال تاریخ میں نادر ہی ملے گی۔ انسانی زندگی پر اس کے خطرناک اثرات مرتب ہوئے۔ جمیل جالبی نے اس تباہی اور اس کے نتیجے میں مرتب ہونے والے اثرات کی طرف اشارہ کیا ہے:

"نادر شاہ کے حملے سے پہلے یہ معاشرہ رنگ طرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ نادر شاہ کے حملے بعد یہ معاشرہ اضطراب و بے ثباتی اور احساس فنا کے ساتھ غم و الم میں ڈوب جاتا ہے."

جمیل جالبی کے بیان سے نادر شاہ کے حملے کے نتیجے میں اس دور کی بدحالی، انسانی زندگی اور سماج کی صورت حال اور سماج اور انسانی زندگی پر مرتب ہونے والے شدید منفی اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد مراٹھوں اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کی وجہ سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی اور دہلی پوری طرح اجڑ گئی اور ویران ہو گئی۔

3.2.2 نظیر اکبر آبادی کے عہد کا ادبی رجحان:

نظیر اکبر آبادی کا دور ادبی، سماجی اور تہذیبی اعتبار سے تبدیلی کا دور تھا۔ اس دور کے ادب میں نمایاں تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ اس دور کو ادبی عروج کا دور کہا جا سکتا ہے۔ حالاں کہ سماجی اور سیاسی اعتبار سے یہ ایک زوال آمادہ دور قرار دیا جاتا ہے لیکن اردو زبان و ادب نے زوال پذیر سیاسی اور سماجی عہد میں اپنی ترقی اور عروج کے امکانات تلاش کر لیے۔

نظیر کے عہد میں غالب رجحان غزل گوئی کی طرف رہا۔ اردو غزل کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ میر تقی میر نے اپنے مخصوص انداز اور اسلوب سے غزل کی صنف کو فن کی بلندی پر پہنچا دیا۔ غزل اس دور میں سب سے زیادہ مقبول رہی لیکن دوسری اصناف شعر پر بھی توجہ دی گئی۔ نظیر نے غزل سے زیادہ نظم گوئی پر اپنی توجہ صرف کی اور اپنے لیے بنیادی ذریعۂ اظہار نظم کو بنایا۔ اس دور میں قصیدہ اور مثنوی نے بھی خوب ترقی کی۔ سودا نے قصیدے کو اس کی معراج پر پہنچا دیا۔ مثنوی میں بھی اس دور میں بیشتر شاعروں نے طبع آزمائی کی۔ میر تقی، آبرو، میر سوز، میر اثر وغیر نے مثنویوں میں کافی توجہ صرف کی اور عمدہ مثنویاں کہیں لیکن میر حسن نے مثنوی سحر البیان لکھ کر مثنوی کو عروج کی انتہا پر پہنچا دیا۔

اٹھارویں صدی میں اردو شاعری میں تین طرح کے رجحان واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ پہلا درباروں سے وابستہ شاعری کا رجحان جس میں خوشامد، مدح سرائی اور مبالغہ آرائی کا غلبہ نظر آتا ہے۔ دوسرا زبان و بیان پر ناز کرنے والے شعرا کی کلام جس میں بیشتر توجہ زبان و بیان کی پیچیدگیوں اور جدت طرازیوں پر نظر آتی ہے اور اس کا موضوع عام طور پر عشقیہ مضامین ہیں۔ تیسرا وہ رجحان جس میں عوام کی حقیقی نمائندگی ہوتی ہے۔

کوئی بھی زبان عام بول چال کی صورت میں ترقی کرتی ہے اور جب ترقی کے مخصوص معیار پر پہنچ جاتی ہے تو عوام سے اس کا سلسلہ کمزور پڑنے لگتا ہے۔ اس زبان کے ادب میں خواص چھاپ نظر آنے لگتی ہے۔ نظیر کے عہد میں بھی شعر و ادب میں عوام کی نمائندگی اور

ترجمانی کمزور نظر آتی ہے۔ درباری، خوشامدی اور طرب میں ڈوبی شاعری زیادہ نظر آتی ہے۔ عوام کے وہ بنیادی مسائل نمایاں طور پر اس عہد کی شاعری میں جگہ نہیں پاتے۔ احتشام حسین نے اس عہد میں اردو شاعری کی اسی صورت حال کی طرف اشاہ کیا ہے:

"اردو نے بول چال کی زبان کی صورت میں ترقی کی۔ مگر جب اس نے ادب میں ایک مقام حاصل کر لیا تو اس کے ناپ تول کے پیمانے بدل گئے اور مرکزوں میں محدود ہو جانے کے باعث اس کا تعلق تھوڑا بہت عامۃ الناس سے ٹوٹ گیا۔ ادب پر تو ضرور ہی اس کا گہرا اثر پڑا۔"

(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص113، مطبوعہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1983)

نظیر عوام کے شاعر تھے۔ انہوں نے شاعری کو عوام سے جوڑنے کی کوشش کی۔ عوام کے مسائل عوام کی زبان میں آسان اور سہل انداز بیان کے ساتھ سادگی سے اس طرح بیان کیے کہ عوام کو سمجھ میں آنے لگے۔ نظیر نے اردو شاعری کو عام انسان سے قریب کرنے کی کوشش کی اور خواص کے حصار سے باہر نکال کر اسے وسعت دی۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر اکبر آبادی کو اردو زبان کا پہلا عوامی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ نظیر کو انیسویں صدی کے بیشتر تذکارہ نگاروں نے نظر انداز کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظیر اکبر آبادی نے اپنے دور کے معیاری شاعری اور کمال فن سے گریز کیا۔ ایک مخصوص طبقے کی ادبی ذوق کی تفریح کا سامان بنانے اور درباری شاعری کی روایت کی بیڑیوں کا توڑ کر زندگی کے عام تجربات اور عام انسان کے مسائل کو خلوص اور سادگی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے شاعری کی زبان اور لب و لہجہ کو اس قدر سہل اور عوام سے قریب تر رکھا کہ عوام کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ نظیر کی شاعری میں ان کا پورا عہد، اس عہد کے تمام مسائل، سماجی، سیاسی اور معاشی صورت حال بالکل شفاف اور واضح نظر آتے ہیں۔ وہ خالص عوام کے شاعر تھے۔ احتشام حسین کے بقول:

"ان کی نظموں کا مطالعہ کرتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم قدم جمائے زمین پر کھڑے ہیں، ہمارے چاروں طرف بے کھٹکے انسان چل پھر رہے ہیں، اپنے دیس کے جاڑے، گرمی، برسات آتے ہیں اور ہم ان جانے بوجھے موسموں کا لطف اٹھانے لگتے ہیں۔ الگ الگ گروہوں اور ذاتوں کے لوگ، متعدد مذہبوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والے، جانور چڑیا سب موجود ہیں اور ساری فضاوہ ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔"

(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص118، مطبوعہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1983)

نظیر اکبر آبادی کے یہاں الفاظ کی جادوگری نظر نہیں آتی۔ تصنع نظر نہیں آتا۔ لفظی صناعی سے زیادہ انہوں نے جذبے اور خیال کو اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری میں مبالغہ آرائی، تصنع کے بجائے سادگی، خیال اور جدت فکر کے خوبصورت مرقعے جابجا نظر آتے ہیں۔

نظیر ہر مذہب اور مسلک کے لوگوں سے لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے سکھ دکھ میں شریک ہوتے تھے۔ ہر مذہب کے تیوہاروں، رسم و

رواج اور تہذیب پر انہوں نے نظمیں لکھی ہیں۔ ہر مذہب کی شخصیات پر نظمیں تحریر کر کے انہیں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ نظیر کی شخصیت اور ان کا فن ہندوستان میں نہ صرف ہندو اور مسلم بلکہ تمام مذاہب اور مسالک کے درمیان اتحاد اور بھائی چارے کی نمایاں مثال ہے۔ نظیر کی شاعری میں جو سادگی، حقیقت پسندی، قومی شعور، عوامی مسائل سے واقفیت، انسانی محبت اور جذبۂ اخلاص ملتا ہے اس کی مثال اردو شاعری میں کم ہی نظر آتی ہے۔

3.3 نظیر کے ادبی معاصرین

نظیر جس عہد میں پیدا ہوئے وہ اگرچہ سیاسی اور سماجی اعتبار سے بدحالی اور زوال کا دور تھا لیکن اس عہد میں اردو ادب میں ایسی نادر اور باکمال شخصیات ظاہر ہوئیں جنہوں نے شعر و سخن میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ شاعری کے حوالے سے اگر اس دور کا جائزہ لیں تو یہ دور اردو شاعری کے زریں عہد کے طور پر تاریخ میں جگہ حاصل کرتا ہے۔ نظیر نے اردو شاعری میں خود بھی ایک نظیر پیش کی اور نئی روایت کی بنیاد ڈالی۔ ان کے میر اور سودا جیسے معاصرین نے اردو شاعری کو فنی عروج تک پہنچایا۔ میر نے غزل میں تنوع پیدا کیا۔ سودا نے قصیدہ نگاری کو عروج پر پہنچا دیا۔ درد نے اردو شاعری میں تصوف اور اخلاق کے موضوعات کو جس خوبصورتی اور سادگی سے بیان کیا ہے، اس کی مثال اس سے پہلے اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ میر حسن نے اردو مثنوی کو اس کی معراج تک پہنچا دیا۔ انشاءاللہ خاں انشا نے زبان کے قواعد مرتب کیے اور شاعری میں مختلف تجربات کیے۔ یہاں ہم نظیر کے چند ممتاز ہم عصر ادیبوں اور شاعروں کا جائزہ لیں گے۔

3.3.1 میر تقی میر:

میر نظیر کے ہم عصروں میں سے تھے۔ میر کا نام محمد تقی تھا۔ 1722ء میں اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ آباء و اجداد حجاز مقدس سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ میر کے دادا نے فوج داری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا لیکن ان کے والد صوفیانہ فکر کے حامل تھے اس لیے انہوں نے یہ پیشہ ترک کر کے درویشی اختیار کر لی۔ گھر میں مفلسی نے ڈیرا بنا لیا۔ دن فاقوں میں گزرنے لگے۔ اسی دوران میر کی پیدائش ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے منہ بولے چچا نے پرورش کا ذمہ اٹھایا، لیکن وہ بھی جلد اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کے سوتیلے بھائی تھے، لیکن انہوں نے ان کی مدد نہیں کی۔ میر کا بچپن بہت پریشانیوں اور کرب میں گزرا۔ تلاش معاش کے لیے میر نے کمسنی میں بہت سے سفر کیے۔ اسی دوران وہ دہلی پہنچے۔ وہاں خواجہ محمد باسط سے ملاقات ہوئی اور ان کے توسط سے صمصام الدولہ کے یہاں رسائی ہوئی جو میر کے والد کے بہت بڑے معتقد تھے۔ صمصام الدولہ نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ صمصام الدولہ کی وفات تک انہیں یہ وظیفہ ملتا رہا۔ ان کے انتقال کے بعد میر پھر سے معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ میر کی عمر اس وقت سترہ سال تھی۔ اس کے بعد میر نے اپنے ماموں خان آرزو کے یہاں پناہ لی۔ خان آرزو کی صحبت میں میر کو اپنا فن نکھارنے کا موقع میسر آیا۔ زندگی کی صعوبتوں کا اثر میر کی فکر اور ان کی شخصیت میں بہت گہرا تھا جس کا اثر ان کے فن میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

میر کی شاعری میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک بہترین شاعری میں ہو سکتی ہیں۔ ان کا لہجہ اور اسلوب غزل کے لیے بالکل موزوں تھا، اس لیے غزل میں میر کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ ان کی شاعری میں ہمہ گیریت ہے، سوز ہے، ساز ہے، آہنگ ہے، موسیقیت

ہے، جمالیاتی احساس ہے، سادگی ہے، کشش ہے، معنی آفرینی ہے، زبان کی ساحری ہے، خیال بندی ہے، روح عصر ہے، آفاقیت ہے گویا سب کچھ ہے۔ میر کسی ایک دھارے میں بہنے کے قائل نہیں۔ وہ بحر بے کراں کی مانند اپنے راستے بناتے چلے جاتے ہیں۔ میر کا لہجہ غزل کے لیے موزوں تھا۔ ان کے یہاں ایک طرح کی شائستگی، شگفتگی، نازکی اور ترنم ہے جو مدہوش کر دیتا ہے۔ دل کا کرب لفظوں میں اس سوز کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ دل میں اترتا چلا جاتا ہے:

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

محبوب کے حسن اور سراپا کا ایسا دلکش بیان میر نے کیا ہے جس کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

عشق کا ایسا شدید اظہار میر کے یہاں ہے:

بہت آرزو تھی گلی کی تری
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

میر اور نظیر دونوں کے یہاں انسان دوستی اور اخلاقی مضامین کی بھرمار ہے لیکن دونوں کا اسلوب مختلف ہے۔ میر فنی نکات اور زبان و بیان کی شگفتگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اظہار خیال کرتے ہیں جب کہ نظیر کے یہاں جذبے اور خیال سے زیادہ سروکار ہے اور زبان و بیان کے انتخاب میں عمومیت زیادہ ہے۔ ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ نظیر کا فطری میلان مسلسل بیان اور صراحت کی طرف ہے اور میر بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں، اس لیے اختصار، رمز اور جمالیاتی احساس نمایاں ہے۔ میر اور نظیر کے اسی بنیادی فرق کی طرف آل احمد سرور نے اشارہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

"میر کے تصوف میں انسان دوستی کی جو روایت اشاروں اشاروں میں بیان ہوئی ہے۔ وہ نظیر کی نظموں میں بڑی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔"

(پہچان اور پرکھ، ص 63، مکتبہ جامعہ، دہلی، 1990)

میر اور نظیر کا قطعہ دیکھیے جن میں دونوں نے ایک مضمون کو بیان کیا ہے لیکن ایک کے یہاں کس قدر اختصار اور دوسرے کے یہاں بہت صراحت ہے:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

اس مضمون کو نظیر نے بہت صراحت کے ساتھ ایک غزل میں ادا کیا ہے:

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
دور فلک سے کیا خبر پہنچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروز گوں ہے شیشہ باز پر فنوں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے
رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبح دم
اک کاسۂ سر پر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تو ہیں زیر زمیں
گلبرگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن
زریں و سیمیں پیرہن دل کش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر بزم طرب شام و سحر
ہر سو بہ کثرت جلوہ گر حسن بتان نازنیں
ایک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے
اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں
سنتے ہی جی تھرا گیا رخسار پر اشک آ گیا
دل عبرتوں سے چھا گیا خاطر ہوئی بس سہمگیں
اس میں سر اپنا ناگہاں ہر مو ہوا مثل زباں
بولا نظیرؔ آگہ ہو ہاں من نیز روزے ہم چنیں

میر نے بہت زیادہ لکھا ہے۔ ان کی غزلوں کے چھ دیوان ہیں۔ اس کے علاوہ چالیس مثنویاں، اکتالیس مراثی و سلام، چھ قصیدے، انیس مخمس، چار مسدس، چار واسوخت ہیں۔ ترکیب بند، تضمین، قطعے، رباعیاں اور منفرد اشعار بھی ہیں۔ یہ میر کا اردو شعری سرمایہ ہے۔

ان کا ایک فارسی دیوان بھی ہے۔ نثر میں 'نکات الشعرا'، 'فیض میر' اور 'ذکر میر' ہیں۔

3.3.2 محمد رفیع سودا:

سودا نظیر کے ان ممتاز معاصرین میں سے ہیں جنہوں نے اپنے پورے عہد کو اپنے فنی کمالات اور ادبی تخلیقات سے بے حد متاثر کیا۔ سودا کو اردو شاعری کی صنف قصیدہ گوئی میں خاص طور پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے اس صنف پر خاص طور سے توجہ دی اور اسے اس کی معراج تک پہنچا دیا۔

سودا کا پورا نام مرزا محمد رفیع اور سودا تخلص تھا۔ 1707ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سودا کے اجداد کا پیشہ سپہ گری تھا۔ ان کے والد تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد سودا نے فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی، لیکن طبیعت سے میل نہ کھانے کی وجہ سے یہ ملازمت ترک کر دی اور شاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ سودا نے شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی اور خان آرزو سے بھی فیض اٹھایا۔ مرہٹوں کے دہلی پر حملہ کرنے کے بعد سودا دہلی کو خیر آباد کہہ کر عماد الملک کے پاس فرخ آباد چلے گئے۔ اس کے بعد فیض آباد اور پھر آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ آ گئے اور یہیں 1781ء میں 74 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

سودا کا مرتبہ بحیثیت شاعر بہت بلند ہے۔ سودا نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن غزل اور قصیدہ ان کا خاص میدان تھا۔ زبان و بیان پر سودا کو غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ قصیدہ نگاری کے میدان کے وہ شہسوار ہیں۔ اس مشکل صنف میں مشکل زمینوں کا انتخاب کر کے تخیل، معنی آفرینی اور شوکت الفاظ کی نادر مثالیں پیش کی ہیں۔ سودا نے مدحیہ اور ہجویہ دونوں طرح کے قصیدے لکھے ہیں۔ ان کے ہجویہ قصیدوں میں شدید طنز ملتا ہے۔ سودا کے قصیدوں میں نزاکت، فصاحت، تخیل، ندرت، شوکت الفاظ، جدت طرازی، معنی آفرینی اور نادر تشبیہات سب کچھ ہے۔ اردو میں قصیدہ نگاری سودا سے پہلے بھی ہو رہی تھی لیکن سودا نہ قصیدہ کو جو عروج بخشا وہ نہ ان سے پہلے کوئی کر سکا اور نہ ان کے بعد۔ سودا نہ قصیدہ نگاری کو اس کی معراج تک پہنچا دیا۔ سودا نے اس کے اجزائے ترکیبی وضع کیے اور اس میں اپنے کمال فن کے جوہر دکھائے۔ سودا کا ایک انتہائی مشہور قصیدہ 'تضحیک روزگار' ہے۔ سودا کے قصیدوں کے دو مطلع دیکھیے:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ طمغائے مسلمانی
نہ چھوٹی شیخ سے زُنار تسبیح سلیمانی

اٹھ گیا بہمن و دے سے چمنستاں کا عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں متاصل

سودا غزل گوئی میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں، لیکن انہیں قصیدہ نگار کی حیثیت سے شہرت مل گئی اور غزل گوئی پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ ان کی غزلوں میں زبان و بیان اور فکر و فن کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ سودا نے قصیدے اور غزل دونوں میں مختلف اسلوب اپنایا ہے۔ قصیدوں میں زور بیان، شوکت الفاظ زیادہ ہے جب کہ غزلوں میں نازک خیالی اور لہجہ قدرے نرم ہے۔ بلند آہنگ، خیال میں ندرت، نادر

تشبیہیں اور استعارے اور معنی آفرینی ان کی غزلوں میں بھی ہے۔ ان کی غزلوں میں نازک خیالی دیکھیے:

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
فکر معاش عشق بتاں یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کرے

نظیر کے شہر آشوبوں میں سودا کا رنگ جھلکتا ہے۔ نظیر نے اپنے شہر آشوبوں میں جس طرح شدید طنز کیا ہے اس کی مثال سودا کے قصیدوں میں ملتی ہے۔ سودا اور نظیر کے یہاں ایک مماثلت یہ پائی جاتی ہے کہ دونوں کے یہاں طنز اور ہجو کا فی شدید ہے۔ حالانکہ دونوں کے محرک مختلف ہیں اور دونوں کا انداز بیان بھی بالکل مختلف ہے۔ سودا کا محرک شخصی اور ذاتی عناد ہے جبکہ نظیر نے سماج کے ان طبقوں یا پیشہ وروں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے، جو اس سماج میں برائی کا وسیلہ سمجھے جاتے تھے اور سماج کے دھتکارے ہوئے لوگ تھے۔

سودا نے جس طرح مرثیہ کے لیے مسدس کا پیمانہ اختیار کیا اور پھر ان کی اس روایت کو انیس و دبیر سے لے کر حالی تک نے اس روایت کو برقرار رکھا۔ اسی طرح نظیر نے اپنی نظموں کے لیے مسدس اور مخمس کا پیمانہ موزوں سمجھا۔ ان کی بیشتر نظمیں مخمس یا مسدس میں ہی لکھی گئی ہیں۔ اس کی وجہ جذبے یا خیال میں زور اور اثر پیدا کرنا ہے۔

3.3.3 خواجہ میر درد:

دردؔ کی پہچان اپنے دور کے عظیم صوفی شاعر کے طور پر ہوتی ہے۔ درد کی پیدائش 1720ء میں دہلی میں ہوئی۔ درد نے دینی اور عصری تعلیم پر توجہ دی اور نوجوانی میں ہی فقہ اور تصوف پر مہارت حاصل کرلی۔ دنیا سے بے رغبتی ابتدا سے ہی تھی۔ ابتدا میں زریعۂ معاش کے لیے فوج میں ملازمت اختیار کی حالانکہ والد کے مشورے سے جلد ہی اس پیشے سے کنارہ کشی کرلی اور درویشی کی زندگی اختیار کر کے فقر و توکل کو اپنا شعار بنالیا۔ اس عہد میں دہلی پر قیامت ٹوٹ رہی تھی اور دہلی شہر پے در پے حملوں کی زد میں تھا۔ بیشتر اہل علم و فن دہلی چھوڑ کر دوسرے شہروں میں پناہ تلاش کر رہے تھے مگر درد دہلی میں ہی رہے اور اپنی خانقاہ میں مکیں رہے۔ درد کو فنی نکات میں مہارت حاصل تھی، اعلی فکر اور فہم کے حامل تھے، فن کے رموز سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اسی لیے ان کا شمار اردو شاعری میں استاد فن کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کی ان صلاحتیوں کا اعتراف خان آرزو اور میر جیسے اساتذہ نے کیا ہے۔ درد بنیادی طور پر ایک صوفی شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں تصوف کے مضامین ہی بیان ہوئے ہیں۔ وجود حق، بے ثباتی دنیا، فقر و فاقہ، فنا و بقا جیسے مضامین کو سادگی سے بیان کیا ہے۔ ان کے یہاں تصوف کے مسائل کا بہت پیچیدہ اور فلسفیانہ بیان نہیں ملتا بلکہ وہ سادگی سے اخلاقی مضامین، مذہب اور سیرت سے متعلق مضامین عام فہم طریقے سے پیش کیے ہیں۔ درد بہت بلند فکر اور فن شاعری میں بڑی مہارت رکھنے والے شاعر تھے لیکن انہوں نے اپنے فن کو اخلاقیات اور تصوف کے دائرے سے باہر نہیں جانے دیا۔ انہوں نے اپنا زور بیان تصوف کے دائرے میں ہی صرف کیا۔ درد سے زیادہ اور بہتر تصوف کے مضامین پر کسی دوسرے شاعر نے نہیں لکھا۔ مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"خیالات ان کے سادہ اور متین تھے، کسی کی ہجو سے زبان آلودہ نہیں ہوئی۔ تصوف میں جیسا

انہوں نے کہا اردو میں آج تک کسی سے نہ ہوا"

(آب حیات، ص176، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی، 2003)

ارض و سماں کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

نظیر کی شاعری میں بھی تصوف کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ان کا انداز بیان درد سے بالکل مختلف ہے۔ ہر شئ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، نظیر نے اس کو سادگی سے بیان کیا ہے:

قمری بولے حق سرہ، بلبل بولے بسم اللہ
کبک ٹیٹری چاروں قل، اور تیتر بھی سبحان اللہ
دادر مور پپیہے کویل، کوک رہے اللہ اللہ
پختہ کوکو تی ہو ہوہو طوطے بولیں حق اللہ

درد نے بے ثباتی دنیا کو اس طرح سے پیش کیا ہے:

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا
ایک دم آئے ادھر اودھر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا سب
تم رہو خوش ہم تو اپنے گھر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

بے ثباتی دنیا کو نظیر نے اس طرح بیان کیا ہے:

ٹک حرص و ہوس کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شتر، کیا گونیں، پلا، سر بھارا
کیا گیہوں چانول، موٹھ، مٹر، کیا آگ، دھواں اور انگارہ
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ایک اور بند ملاحظہ کیجیے:

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا
دل تنگیوں سے اور کوئی اکتا کے مر گیا
عاقل تھا وہ تو آپ کو سمجھا کے مر گیا
بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مر گیا
دکھ پا کے مر گیا کوئی سکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مر گیا

درد اور نظیر دونوں کا انداز بیان مختلف ہے۔ درد بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اس لیے ان کے یہاں ایک خاص طرح اختصار نظر آتا ہے جبکہ نظیر کے یہاں وضاحت اور صراحت ملتی ہے۔

3.3.4 غلام ہمدانی مصحفی:

مصحفی کا پورا نام شیخ غلام ہمدانی تھا۔ مصحفی امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ جمیل جالبی نے ان کا سنہ پیدائش 1774ء لکھا ہے۔ تلاش معاش کی غرض سے دہلی گئے۔ کچھ عرصہ بعد لکھنؤ آگئے جہاں شعر و سخن کی محفلیں آباد تھیں۔ لکھنؤ میں شاعروں کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ مصحفی بھی ان کا حصے بنے۔ مصحفی و جرأت اور مصحفی و انشا کے معرکے ادبی دنیا میں کافی مشہور ہیں۔ لکھنؤ میں دہلی کے ماحول سے بالکل مختلف رنگینیاں اور رونقیں تھیں۔ رنگ و طرب کی محفلیں تھیں۔ اسی لیے لکھنؤ اور دہلی کی شاعری میں اسلوب اور مضامین کے اعتبار سے بہت فرق نظر آتا ہے۔ مصحفی کی شاعری میں دہلی کا رنگ پہلے سے موجود تھا اور لکھنؤ آکر ان کی شاعری میں لکھنوی رنگ اتر آیا، اس لیے مصحفی کی شاعری میں دونوں رنگ نمایاں ہیں۔

جو آج نظر آئے افسانہ ہے یہ بھی
آبادی پہ مت بھولیو، ویرانہ ہے یہ بھی

ان کی لکھنوی رنگ والی شاعری دیکھیے:

جمنا میں کل نہا کر جب اس نے بال باندھے
ہم نے بھی اپنے دل میں کیا کیا خیال باندھے

کام کر جاتی ہیں تری آنکھیں
چپکے چپکے ہزار آنکھوں میں

3.3.4 میر حسن:

میر حسن کا اصل نام غلام حسن تھا۔ ان کا شمار نظیر کے ممتاز ہم عصروں میں ہوتا ہے۔ میر حسن نے غزل سے پہلو تہی کر کے مثنوی اور مرثیہ نگاری کو اپنایا۔ مثنوی پر انہوں نے خصوصی توجہ دی اور اسے کمال درجہ تک پہنچا دیا۔ 1727 میں میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر ضاحک بھی شاعر تھے۔ میر حسن کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ شعر و شاعری کی طرف بچپن سے میلان تھا، اس لیے کم عمری سے ہی خواجہ میر درد کی صحبت میں رہنے لگے۔ شاعری میں درد ان کے پہلے استاد تھے۔ میر حسن جس عہد میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے وہ عہد دہلی والوں کے لیے بڑی آزمائشوں کا دور تھا۔ سماجی اور معاشی نظام پوری طرح درہم برہم تھا۔ ہر طرف تباہی اور لوٹ مار کا عالم تھا۔ شرفا دہلی چھوڑ کر اودھ کا رخ کر رہے تھے۔ میر، سودا، جرأت، سوز پہلے ہی اودھ کا رخ کر چکے تھے۔ میر ضاحک نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ اودھ کا رخ کیا۔

اس وقت فیض آباد اودھ کا دار السلطنت تھا۔ فیض آباد جاتے ہوئے میر حسن نے لکھنؤ میں قیام کیا۔ اس وقت لکھنؤ ایک قصبہ ہوا کرتا تھا۔ میر حسن کو لکھنؤ پسند نہیں آیا تو اس کی ہجو کہہ ڈالی جس کے سبب آصف الدولہ ان سے ناراض ہو گئے۔ لکھنؤ آصف الدولہ کے لیے ان کے خوابوں کا شہر تھا جسے وہ رشک شاہجہان آباد بنانا چاہتے تھے۔ میر حسن سے آصف الدولہ کی ناراضگی تا عمر رہی۔

فیض آباد میں میر حسن آصف الدولہ کے ماموں سالار جنگ اور پھر ان کے بیٹے سردار جنگ مرزا نوازش علی خان کے ملازم ہو گئے۔ جب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا تو سالار جنگ بھی اپنے متعلقین کے ہمراہ لکھنو منتقل ہو گئے اس لیے میر حسن کو بھی جانا پڑا۔ مثنوی سحر البیان میر حسن نے نواب کو راضی کرنے کی غرض سے لکھی تھی اور اس کے ساتھ ایک قصیدہ بھی تھا۔

میر حسن نے 1784 مثنوی سحر البیان کو مکمل کیا اور اس کے ایک سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اس مثنوی کو ادب میں ایک شاہکار کا درجہ حاصل ہے۔ سحر البیان میں بے نظیر اور بدر منیر کی داستان ہے۔ میر حسن نے اس مثنوی میں جزئیات نگاری اور محاکات کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اس کی زبان اس قدر فصیح، صاف اور شیریں ہے کہ زبان میں مٹھاس گھل جاتی ہے۔ شوخیٔ بیان اور طرز ادا، لطیف بیان اور محاوروں کا خوبصورت استعمال اس مثنوی کی اہم خصوصیات ہیں۔ تقریباً ڈھائی سو سال گزرنے کے بعد بھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ آج کی زبان میں لکھی گئی ہو۔ بے نظیر کے غائب ہونے کے منظر کو اس طرح پیش کیا ہے کہ تصویر آنکھوں میں واضح ہونے لگتی ہے:

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

سنی شاہ نے جس گھڑی یہ خبر
گرا خاک پہ کہ کے ہائے پسر

بہت سے شاعروں نے مثنویاں لکھیں، لیکن سحر البیان کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، وہ کسی کے حصے میں نہ آسکی۔ میر حسن نے اس کے علاوہ گلزارِ ارم، رموز العارفین اور دیگر مثنویاں بھی لکھی ہیں، لیکن سحر البیان کی طرح ان کی دوسری مثنویوں کو اتنی مقبولیت نہیں ملی۔ میر حسن نے 'تذکرہ شعرائے اردو' کے نام سے ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔

3.3.3 انشاء اللہ خاں انشا:

انشا 1857 میں مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنی ذہانت اور جدت پسندی کے سبب اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ انشا نے غزل، قصیدہ، ریختی اور مثنوی جیسی اصناف پر طبع آزمائی کی۔ انہوں نے 'دریائے لطافت' کے نام سے زبان و بیان کے قواعد سے متعلق کتاب تحریر کی جسے اپنے موضوع کے اعتبار سے ہندوستان میں اولیت حاصل ہے۔ انشا نے اپنی پوری ادبی زندگی میں تجربات پر زور دیا ہے اور مختلف قسم کے تجربات کیے ہیں۔ انشا نے 'رانی کیتکی کی کہانی' (داستان) لکھی جس میں عربی اور فارسی کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا۔ انشا کا ایک دیوان 'دیوان بے نقط' ہے جس میں صرف غیر منقوط حروف استعمال کیے ہیں۔ اسی طرح ایک داستان 'سلک گہر' غیر منقوط ہے۔ انشا نے بہت سے تجربات اپنی شاعری میں کیے ہیں۔ انشا نے گیارہ اشعار پر مشتمل ایک غزل حروف تہجی پر کہی ہے، اس میں حروف تہجی بہت دل کش انداز میں جمع کیے گئے ہیں۔ اس غزل کے چند اشعار دیکھیے:

تب سے عاشق ہیں ہم اے طفل پری وش تیرے
جب سے مکتب میں تو کہتا تھا الف بے تے ثے
یاد آتا ہے وہ حرفوں کا اٹھانا اب تک
جیم کے پیٹ میں ایک نکتہ ہے اور خالی حے

انشا اپنے عہد کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انہیں زبان و بیان پر غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ انشا کے اپنے ہم عصر شاعروں سے چشمک بھی رہی۔ قدرت اللہ قاسم، عظیم بیگ سے دہلی میں چشمک رہی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی قدردانی یہاں تعصب اور دشمنی کا شکار ہو رہی ہے تو انہوں نے لکھنؤ کا رخ کیا۔ یہاں آکر مصحفی ان کے حریف بن گئے اور دونوں کے بیچ ادبی معرکہ آرائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مصحفی کے مزاج میں خود پسندی واضح تھی اور ان کی یہ خود پسندی تعلی کے درجے تک پہنچ جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مصحفی نے اکابر شعرا مثلاً سعدی، عنصری، درد تک کو اپنے ہیچ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ انشا کے مزاج میں خود پسندی تھی اور انہیں اپنے زبان و بیان پر ناز تھا تاہم وہ استاد شعرا کو احترام دیتے ہیں اور ان کی ہم عصری پر فخر کرتے ہیں۔ انشا اور مصحفی نے ایک دوسرے پر شاعری میں ایسی چھینٹا کشی کی اور گالی گلوچ تک سے احتراز نہ کیا۔

اٹھارویں صدی کی کے ادب کا یہ بھی ایک رخ ہے جہاں شاعر ایک دوسرے کو کمتر دکھانے کے لیے کسی بھی حد تک جانے سے

گریز نہیں کرتے تھے۔ وہیں دوسری طرف نظیر جیسا شاعر عوام کے درمیان چلم پی رہا ہے اور کسی جوگی کی طرح شہرت، دولت، ریاکاری، خوشامد سے بے نیاز نظر آتا ہے۔ یہ فرق محض شخصیت کا نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری میں بھی واضح ہے۔ ایک طرف عیش وطرب میں ڈوبی، تصنع کے رنگ میں رنگی، خوشامد میں رچی بسی شاعری ہے وہیں دوسری طرف عام انسان کی عام زندگی اور اس کے مسائل ہیں۔

انشا زود گو اور بیان پر غیر معمولی عبور رکھنے والے شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں لکھنو کا رنگ غالب ہے۔ چھیڑ چھاڑ، شوخی، وصل کی خواہش کا برملا اظہار اور بے تکلف طرز اظہار واضح ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

یہ عجب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

چمن میں جام صہبا ہے گھٹا ہے جائے خلوت ہے
اگر ایسے میں آجاؤ تو صاحب وقت فرصت ہے

3.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- انیسویں صدی کا دور ہندوستان کی تاریخ میں سیاسی، سماجی اور معاشی زوال کا دور تھا۔ اس دور میں ہندوستانی سماج میں شدید انتشار اور انسانی زندگی کے ہر شعبے میں عدم استحکام، افراتفری اور زوال کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔
- شہر دہلی اس دور میں مسلسل بیرونی حملوں کی زد میں رہا اور اس شہر نے تاریخ کا بدترین دور دیکھا۔ اس عرصے میں رونقوں اور محفلوں سے آراستہ یہ شہر کئی بار اجڑا اور تباہ ہوا۔ اردو شعر وادب میں اس دور کے حالات، سماجی سیاسی اور معاشی صورت حال کی ترجمانی ملتی ہے۔
- اس دور میں اردو زبان و ادب کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ خاص طور سے اردو شاعری میں نمایاں ترقی ہوئی۔ مختلف اصناف شعر اردو شعر و ادب کے منظر نامے پر ظاہر ہوئیں اور ان کے خد وخال مرتب ہوئے۔ کئی اصناف شعر حاشیے سے نکل کر ادب میں مرکزی حیثیت اختیار کر گئیں۔
- غزل، قصیدہ، مرثیہ جیسی اصناف شعر نے اسی دور میں سب سے زیادہ عروج حاصل کیا۔ نظم اسی عہد میں ایک مستقل صنف کی حیثیت سے ظاہر ہوئی اور شعری اظہار کا اہم وسیلہ بن گئی۔
- نظیر کے عہد میں غالب رجحان غزل گوئی کی طرف رہا۔ اردو غزل کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ میر تقی میر نے اپنے مخصوص انداز اور اسلوب سے غزل کی صنف کو فن کی بلندی پر پہنچا دیا۔

- غزل اس دور میں سب سے زیادہ مقبول رہی لیکن دوسری اصناف شعر پر بھی توجہ دی گئی۔ نظیر نے غزل سے زیادہ نظم گوئی پر اپنی توجہ صرف کی اور اپنے لیے بنیادی ذریعۂ اظہار نظم کو بنایا۔ اس دور میں قصیدہ اور مثنوی نے بھی خوب ترقی کی۔
- اٹھارویں صدی میں اردو شاعری میں تین طرح کے رجحان واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ پہلا درباروں سے وابستہ شاعری کا رجحان جس میں خوشامد، مدح سرائی اور مبالغہ آرائی کا غلبہ نظر آتا ہے۔
- دوسری زبان و بیان پر ناز کرنے والے شعرا کا کلام جس میں بیشتر توجہ زبان و بیان کی پیچیدگیوں اور جدت طرازیوں پر نظر آتی ہے اور اس کا موضوع عام طور پر عشقیہ مضامین ہیں۔ تیسرا وہ رجحان جس میں عوام کی حقیقی نمائندگی ہوتی ہے۔
- نظیر جس عہد میں پیدا ہوئے وہ اگرچہ سیاسی اور سماجی اعتبار سے بدحالی اور زوال کا دور تھا لیکن اس عہد میں اردو ادب میں ایسی نادر اور باکمال شخصیات ظاہر ہوئیں، جنھوں نے شعر و سخن میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔
- شاعری کے حوالے سے اگر اس دور کا جائزہ لیں تو یہ دور اردو شاعری کے زریں عہد کے طور پر تاریخ میں جگہ حاصل کرتا ہے۔ نظیر نے اردو شاعری میں خود بھی ایک نظیر پیش کی اور نئی روایت کی بنیاد ڈالی۔ ان کے میر اور سودا جیسے معاصرین نے اردو شاعری کو فنی عروج تک پہنچایا۔ میر نے غزل میں تنوع پیدا کیا۔
- سودا نے قصیدہ نگاری کو عروج پر پہنچا دیا۔ درد نے اردو شاعری میں تصوف اور اخلاق کے موضوعات کو جس خوب صورتی اور سادگی سے بیان کیا ہے اس کی مثال اس سے پہلے اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ میر حسن نے اردو مثنوی کو اس کی معراج تک پہنچا دیا۔ انشاءاللہ خاں انشا نے زبان کی قواعد مرتب کی اور شاعری میں مختلف تجربات کیے۔
- نظیر کے شہر آشوبوں میں سودا کا رنگ جھلکتا ہے۔ نظیر نے اپنے شہر آشوبوں میں جس طرح شدید طنز کیا ہے اس کی مثلا سودا کے قصیدوں میں ملتی ہے۔ سودا اور نظیر کے یہاں ایک مماثلت یہ پائی جاتی ہے کہ دونوں کے یہاں طنز اور ہجو کافی شدید ہے۔ حالانکہ دونوں کے محرک مختلف ہیں اور دونوں کا انداز بیان بھی بالکل مختلف ہے۔
- سودا کا محرک شخصی اور ذاتی عناد ہے جب کہ نظیر نے سماج کے ان طبقوں یا پیشہ وروں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے جو اس سماج میں برائی کا وسیلہ سمجھے جاتے تھے اور سماج کے دھتکارے ہوئے لوگ تھے۔
- میر اور نظیر دونوں کے یہاں انسان دوستی اور اخلاقی مضامین کی بھرمار ہے، لیکن دونوں کا اسلوب مختلف ہے۔ میر فنی نکات اور زبان و بیان کی شگفتگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اظہار خیال کرتے ہیں۔
- نظیر کے یہاں جذبے اور خیال سے زیادہ سروکار ہے اور زبان و بیان کے انتخاب میں عمومیت زیادہ ہے۔ ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ نظیر کا فطری میلان مسلسل بیان اور صراحت کی طرف ہے اور میر بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں، اس لیے اختصار، رمز اور جمالیاتی احساس نمایاں ہے۔

3.5 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
طرب	:	نشاط، شادمانی
جدت طرازی	:	نئے طریقے ایجاد کرنا
استخوان	:	ہڈی، جسمانی ڈھانچہ
سہمگیں	:	ڈراؤنا، خوفناک
تیہو	:	تیتر کی نسل کا ایک پرندہ
زنار	:	جنیو
مستاصل	:	بے بس، عاجز
پسر	:	لڑکا، بیٹا

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

3.6.1 معروضی سوالات:

1۔ ان میں سے کون نظیر اکبر آبادی کا ہم عصر نہیں ہے؟

(a)میر (b)سودا (c)درد (d)غالب

2۔ کس شاعر کو عوامی شاعر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے؟

(a)مصحفی (b)علامہ اقبال (c)نظیر اکبر آبادی (d)میر حسن

3۔ سودا کے اجداد کا پیشہ کیا تھا؟

(a)سپہ گری (b)طب (c)کاروبار (d)درس و تدریس

4۔ نظیر کے معاصرین میں کس شاعر کو قصیدہ نگاری کی حیثیت سے شہرت ملی؟

(a)مصحفی (b)سودا (c)انشا (d)درد

5۔ ان میں سے کس شاعر کو صوفی شاعر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے؟

(a)انشا (b)میر (c)درد (d)مصحفی

6۔ نظیر کے معاصرین میں کس شاعر کو مثنوی میں شہرت حاصل ہوئی؟

(a)میر تقی میر (b)میر حسن (c)مصحفی (d)انشا

7۔ زبان و بیان کے قواعد سے متعلق کتاب 'دریائے لطافت' کا خالق کون ہے؟

(a)غالب (b)انشا (c)ناسخ (d)مومن

8۔ مصرع مکمل کیجیے:

چشم تر آئے تھے دامن.....چلے

(a)بھر (b)تر (c)پر (d)کر

9۔ میر اور نظیر دونوں کے یہاں انسان دوستی اور.....مضامین کی بھرمار ہے

(a)اخلاقی (b)سیاسی (c)معاشی (d)ان میں سے کوئی نہیں

10۔ مصحفی کا جائے پیدائش کہاں ہے؟

(a)دہلی (b)امروہہ (c)آگرہ (d)کلکتہ

3.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر کے عہد کے ادبی رجحان پر روشنی ڈالیے۔

2۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعرانہ عظمت واضح کیجیے۔

3۔ میر کے بارے میں اظہار خیال کیجیے۔

4۔ میر حسن کی انفرادیت واضح کیجیے۔

5۔ انشاءاللہ خان کی شاعری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر کے عہد کی سیاسی اور سماجی صورت حال پر روشنی ڈالیے۔

2۔ نظیر کے ہم عصر شاعروں پر اظہار خیال کیجیے۔

3۔ نظیر کس طرح اپنے ہم عصر شاعروں سے منفرد ہیں واضح کیجیے۔

3.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ کلیات نظیر — نظیر اکبر آبادی

2۔ زندگانی بے نظیر — پروفیسر عبدالغفور شہباز

3۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری — سید طلعت حسین نقوی

4۔ نظیر اکبر آبادی: ان کا عہد اور شاعری — ابواللیث صدیقی

3.6.1 کے جوابات: d۔1 c۔2 a۔3 b۔4 b۔5

b۔6 b۔7 b۔8 a۔9 a۔10

اکائی4 : نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 نظیر اکبر آبادی کی فکری تشکیل کے بنیادی عناصر

4.3 نظیر اکبر آبادی کا فن

4.4 نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات

4.5 اکتسابی نتائج

4.6 کلیدی الفاظ

4.7 نمونہ امتحانی سوالات

4.7.1 معروضی سوالات

4.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

اردو شاعری کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ امیر خسرو کو اس روایت کا بنیاد گزار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ امیر خسرو سے اس روایت کا آغاز ہوتا ہے لیکن اردو شاعری کا ارتقائی سفر کئی صدیوں پر محیط ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف شاعروں نے اسے اپنے خون جگر سے سینچ کر پروان چڑھایا ہے اور اس میں نئے نئے اور مختلف رنگوں کی آمیزش کر کے اسے اس قدر متنوع، دلفریب اور رنگین بنایا ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں ایک ایسا ہی اہم اور بڑا نام نظیر اکبر آبادی کا ہے، جنہوں نے اردو شاعری کو ایک نئے رنگ اور اسلوب سے متعارف کرایا۔ اردو شاعری کو ایک نئی سمت اور نئی جہت عطا کی۔ نظیر نے اردو شاعری کو عام انسان سے جوڑنے کی کوشش کی اور اس میں ایک منفرد انداز اور آہنگ کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے اردو شاعری کی مروجہ روایت سے ہٹ کر اپنے طور طریقے وضع کیے اور اپنے لیے الگ راستے کا تعین کیا۔ نظیر نے شاعری کو عام انسان کی زبان اور اس کی زندگی سے جوڑنے کی کوشش کی اور وہ اس میں بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ ان کی شاعری

عام انسان کی زندگی اور سماج کے مختلف طبقوں کی ترجمان ہے۔ نظیر نے نظم کو جو ایک نظر انداز کی ہوئی صنف سخن تھی، اردو شاعری کے مرکز میں لا کر کھڑا کر دیا۔ حالانکہ بعد میں پھر نظم بے توجہی کا شکار ہو گئی اور طویل عرصے کے بعد حالی اور آزاد نے اسے دوبارہ حاشیہ سے اٹھایا اور مرکزیت بخشی۔ نظم کو پہلی بار نظیر نے اہمیت دی اور اس میں زبان و بیان کی وسعت کا احساس دلایا۔

زیر نظر اکائی میں آپ نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات کے بارے میں پڑھیں گے۔ ان کے عہد کے بارے میں جانیں گے۔ ان کی فکری تشکیل، ان کے فن اور ان کی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان کی نگارشات، نظریات اور خاص طور سے اردو نظم کے میدان میں ان کے کارناموں کا مطالعہ کریں گے۔ ان کے ادبی خدمات اور فنی خصوصیات کی روشنی میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے اور جاننے کی کوشش کریں گے۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظیر اکبر آبادی کے حالات زندگی پر روشنی ڈال سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کی شخصیت اور فن سے واقف ہو سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات سے واقف ہو سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کی شعری خصوصیات سے واقف ہو سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کی انفرادیت جان سکیں۔
- اردو شاعری میں نظیر اکبر آبادی کے مقام و مرتبے کا تعین کر سکیں۔

4.2 نظیر اکبر آبادی کی فکری تشکیل کے بنیادی عناصر

نظیر اکبر آبادی نے جس عہد میں آنکھ کھولی وہ سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے انتشار اور زوال کا دور تھا۔ ہر طرف افراتفری اور بے بسی کا عالم تھا۔ مغلیہ سلطنت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ اورنگ زیب کی وفات (1707ء) سے پہلے ہی زوال کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ مسلسل فوج کشی اور جنگوں کی بنا پر جانی اور مالی نقصان اس قدر ہوا کہ فارغ البالی نہ رہی۔ اورنگ زیب کے بعد کمزور حکمرانوں کی نااہلی اور کمزوری کی وجہ سے بغاوتوں اور حملوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ نادر شاہ نے 1739ء میں دہلی کو پوری طرح تاراج کر دیا۔ اس کے بعد مراٹھوں اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں نے دہلی کو مکمل طور پر اجاڑ دیا۔ دہلی کا یہ دور سیاسی اور سماجی اعتبار سے اس وقت تک کا سب سے خراب دور تھا۔ یہ محض ایک دور کی تبدیلی یا انقلاب نہیں تھا بلکہ تہذیب و تمدن کا زوال تھا۔ انسان کا اخلاقی زوال تھا۔ ان حالات میں نا اہلوں کو فروغ حاصل تھا، تعریف اور خوشامد کا دور دورہ تھا۔ ارباب کمال کو دو وقت کی روٹی میسر نہ تھی۔ نظیر کا بچپن یہ سب دیکھتے ہوئے گزرا۔ نظیر نے ان حالات سے جو اثر لیا وہ ان کے شہر آشوبوں میں ظاہر ہوا ہے۔ ایک شہر آشوب جس کا عنوان 'در بیان تماشائے دنیائے دوں' ہے اس کے چند بند دیکھیے:

نہیں ہے زور جنہوں میں، وہ کشتی لڑتے ہیں
جو زور والے ہیں، وہ آپ سے پچھڑتے ہیں
جھپٹ کے اندھے، بٹیروں کے تیئں پکڑتے ہیں
نکالے چھاتیاں کبڑے اکڑ کے چلتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشہ ہے
بنا کے نیاریاں زر کی دوکان بیٹھا ہے
جو ہنڈ والا تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشہ ہے
جنہوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں
جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دھنتے ہیں
دھوئیں برستے ہیں اور ابر تنکے چنتے ہیں
کباب بھیگتے ہیں اور ملیدے بھنتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشہ ہے

اس مخمس میں نظیر نے اخلاقی اور تہذیبی زوال پر بہت شدید طنز کیا ہے۔ 'زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے' کے ذریعے نااہلوں کے فروغ اور ارباب فن و کمال کے زوال اور بے بسی پر انتہائی سخت ترین طنز ہے۔ نظیر کا ایک اور شہر آشوب آگرہ کی معاشی ابتری اور بدحالی کا نوحہ بیان کرتا ہے۔ اس شہر آشوب کا عنوان 'شہر آشوب' ہی ہے۔ اس شہر آشوب کے دو مصرعے ملاحظہ کیجیے:

ہر گھر میں اس طرح سے پھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جائے ہے جوں ایک بار بند

اس شہر آشوب میں نظیر نے چھتیس پیشوں اور ان سے وابستہ پیشہ وروں کا ذکر کیا ہے۔ ان پیشوں کی ابتر صورت حال اور ان پیشہ وروں کے حالات کا حقیقت پسندانہ اظہار کیا ہے۔ نظیر نے شہر آشوبوں میں صرف اپنے دور کے حالات کا رونا نہیں رویا بلکہ معروضی انداز میں اپنے دور کی بدحالی کا تجزیہ کیا ہے۔ الگ الگ ہر طبقے کی صورت حال کو پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بتایا ہے کسی بھی نظام حکومت اور ملک کی ترقی کا دارومدار دست کاروں اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد پر ہے۔ انہوں نے سپاہیوں کے حالات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

نظیر کے گھر میں بھی حالات ساز گار نہیں رہے۔ نظیر کم سن ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ نظیر اپنے والدین کی تیرہویں اولاد تھے۔ ان سے پہلے ان کے تمام بھائی بہن اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ نظیر کا بچپن دہلی میں گزرا۔ نظیر کے ذہن و فکر پر ان حالات کا

گہرا اثر پڑا۔ نظیر بائیس تیئس سال کی عمر میں اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ دہلی چھوڑ کر اکبر آباد (آگرہ) منتقل ہو گئے اور تاج گنج کے علاقے میں رہائش اختیار کر لی۔ نظیر نے زندگی میں تلخ حقیقتوں کا سامنا کیا۔ ایک عام آدمی کی حیثیت سے اس سے تجربات حاصل کیے اور انہیں تجربات کو اپنے فن میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ نظیر انسانی زندگی کے تلخ تجربوں، عام آدمی کی مشکلات، غربت، افلاس، سماج میں منافقت، منافرت، مشترکہ تہذیب اور مشترکہ قدروں پر پڑتی چوٹیں اور مفاد پرستوں کی سازشیں، ہوس پرستوں کی حرص اور انسانی قدروں کی پامالی کو دیکھتے ہوئے پلے بڑھے تھے۔ نظیر کی فنی تشکیل میں ان کے عہد کی انسانی زندگی اور سیاسی و سماجی حالات نے ان کی فکری تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ نظیر کا ذہن حرص و طمع سے پاک تھا۔ نظیر نے جس دور میں آنکھ کھولی، وہ دور درباری قصیدہ گوئی کے لیے موزوں ترین دور تھا۔ شعرا درباروں تک رسائی کے لیے قصیدوں کا سہارا لیتے تھے۔ لیکن نظیر نام و نمود اور دولت و منصب کی غرض سے پاک تھے۔ حیدرآباد، اودھ اور بھرت پور کے شاہی درباروں نے سفر کے اخراجات بھیج کر ان کو بلانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ نظیر قناعت پسند تھے اور اس معلمی کے پیشے میں قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ عوام سے وابستہ تھے۔ ان کا فن عوام کے لیے تھا۔ ان کی شاعری عام انسان کی زندگی اور مسائل سے عبارت تھی۔ نظیر کی زندگی کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی عام انسان کی زندگی تھی۔ وہ انسانوں میں فرق نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔

آگرہ میں نظیر درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ نظیر جوانی میں کھیل کود، پتنگ بازی، تیراکی اور کبوتر بازی کا شوق رکھتے تھے۔ سماج کے ہر طبقے اور ہر مذہب کے ماننے والوں سے ملتے جلتے اور ان کے تیوہاروں اور ان کی خوشیوں میں شریک ہوتے تھے۔ نظیر کئی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے جس کی مثال ان کی شاعری میں بھی نمایاں ہوتی ہے۔

4.3 نظیر کا فن

نظیر سے پہلے اور نظیر کے دور میں بھی اردو شاعری حسن و عشق کے روایتی طرز اظہار پر مبنی تھی۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بندش الفاظ، تراکیب، پر پورا زور ہوتا تھا۔ نظیر نے شاعری کو سماج اور عوام کے مسائل پر توجہ دی اور زبان و بیان کی بھول بھلیاں میں الجھنے کے بجائے شاعری کو راست گوئی کے راستے پر گامزن کرنے کی کوشش کی۔ نظیر اکبر آبادی عوام کے شاعر تھے۔ انہوں نے شاعری کو عوام سے جوڑنے کے جتن کیے۔ عوام کے مسائل عوام کی زبان میں آسان اور سہل انداز بیان کے ساتھ سادگی سے اس طرح بیان کیے کہ عوام کو سمجھ میں آنے لگے۔ نظیر نے اردو شاعری کو عام انسان سے قریب کرنے کی کوشش کی اور خواص کے حصار سے باہر نکال کر اسے وسعت دی۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر اکبر آبادی کو اردو زبان کا پہلا عوامی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ نظیر کو انیسویں صدی کے بیشتر تذکرہ نگاروں نے نظر انداز کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظیر اکبر آبادی نے اپنے دور کے معیار شاعری اور کمال فن سے گریز کیا۔ ایک مخصوص طبقے کے ادبی ذوق کی تفریح کا سامان بنانے اور درباری شاعری کی روایت کی بیڑیوں کا توڑ کر زندگی کے عام تجربات اور عام انسان کے مسائل کو پر خلوص اور سادگی سے بیان کیا ہے۔ وہ خالص عوام کے شاعر تھے۔ احتشام حسین کے بقول:

> "ان کی نظموں کا مطالعہ کرتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم قدم جمائے زمین پر کھڑے ہیں۔ ہمارے چاروں طرف انسان بے کھٹکے چل پھر رہے ہیں۔ اپنے دیس کے جاڑے، گرمی، برسات

آتے ہیں اور ہم ان جانے بوجھے موسموں کا لطف اٹھانے لگتے ہیں۔ الگ الگ گروہوں اور ذاتوں کے لوگ متعدد مذہبوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والے، جانور چڑیاں سب موجود ہیں اور ساری فضاوہ ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ ان چھوٹے موضوعات پر زندہ نظمیں لکھنا کسی معمولی یا چھوٹے شاعر کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ وہی کر سکتا ہے جس کا دل ہمدردی سے لبریز، مشاہدہ گہرا اور عام زندگی کا احساس قوی ہو۔"

(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص118، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان 1987)

حالاں کہ احتشام حسین نے فنی اعتبار سے ان کی شاعری میں نقائص کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسے تخیل کے لحاظ سے ناہموار کہا ہے حالانکہ انہوں نے نظیر کی صداقت اور انسان دوستی کا اعتراف کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"فن کی نظر سے ان کی شاعری میں نقائص ہیں۔ تخیل کی نظر سے سخت ناہمواریاں ہیں مگر ان کی صداقت اور انسان دوستی سب پر پردہ ڈال دیتی ہے۔"

(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، 119 مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان 1987)

احتشام حسین کی اس بات سے کسی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ ان کے یہاں فنی اعتبار سے کچھ کمیاں ہیں۔ لیکن اس سے نظیر کی اہمیت اور ان کے مرتبے پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ نظیر کا کلام ناقص ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ نظیر نے الفاظ کی تراش خراش، شاعری کو لفظی ساحری بنانے، زبان و بیان کے مشکل پیرائے اور عوام الناس کے مسائل سے پہلو تہی کر کے شعر و ادب کو تفنن طبع کا ذریعہ بنانے والے مروجہ رجحان سے بغاوت کر کے ہی ایک نئے اسلوب اور طرز کی بنیاد ڈالی تھی۔ اگر نظیر فن کے مروجہ اصولوں پر کاربند رہتے تو پھر وہ بھی اپنے دور کی روایتی بیڑیوں سے بندھے رہتے۔

نظیر نے اپنے فن کے اظہار کے لیے سادہ زبان و بیان کا انتخاب کیا۔ انہوں ایک طرف عوامی مسائل اور موضوعات کا انتخاب کیا اور انہیں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ انہوں نے ایسی زبان کا بھی انتخاب کیا جو عوام سے قریب تر ہو۔ ان کے لیے غیر مانوس نہ ہو تا کہ وہ اسے پڑھیں اور سنیں اور سمجھ کر اس سے استفادہ کر سکیں۔ حامدی کاشمیری نے نظیر کی اس خوبی کی طرح اشارہ کیا ہے:

"نظیر نے ورڈس ورتھ کی طرح عوامی زندگی سے موضوعات لیے اور عوامی زبان کو اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس سلسلے میں ان کی تمام نظمیں مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔"

(اردو نظم اور یورپی اثرات، حامدی کاشمیری، ص87، ایچ۔ ایس آفسیٹ پرنٹرس دہلی 2010)

نظیر کا فن انسان کی مشترکہ قدروں سے عبارت ہے۔ نظیر انسان اور اس کی سماجی حیثیت کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور سماج کی بات کرتے ہیں۔ ان کے فن میں انسانی زندگی کے مختلف پہلو، مشترکہ قدریں، انسانی زندگی کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری عام انسانوں کی آوازوں اور بدلتے سماج کی آئینہ داری کی بہترین مثال ہے۔ نظیر ہر مذہب اور مسلک کے لوگوں سے لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے سکھ دکھ میں شریک ہوتے تھے۔ ہر مذہب کے تیوہاروں، رسم و رواج اور تہذیب پر انہوں نے

نظمیں لکھی ہیں۔ ہر مذہب کی شخصیات پر نظمیں تحریر کر کے انہیں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ نظیر کی شخصیت اور ان کا فن ہندوستان میں نہ صرف ہندو اور مسلم بلکہ تمام مذاہب اور مسالک کے درمیان اتحاد اور بھائی چارے کی نمایاں مثال ہے۔

زبان و بیان کے لحاظ سے دیکھیں تو نظیر زبان و بیان کی باریکیوں، الفاظ کے پیچ و خم، صناعی اور الفاظ و کی ترکیب و تعمیر کو بنیادی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک وہ جذبہ اور خیال اہم ہے جس کو وہ برتنا چاہتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں الفاظ کی جادوگری نظر نہیں آتی۔ تصنع نظر نہیں آتا۔ لفظی صناعی سے زیادہ انہوں نے جذبے اور خیال کو اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری میں مبالغہ آرائی، تصنع کے بجائے سادگی، خیال اور جدت فکر کے خوبصورت مرقعے جابجا نظر آتے ہیں۔ نظیر نے اپنے دور کے غزل گو شعرا کے ان استعاروں اور کنایوں کو ترک کر کے اپنی شاعری میں حقیقت پسندی کی ایک نئی طرز اختیار کی۔

نظیر کی شاعری میں خاصہ حصہ مناظر فطرت کے بیان پر مشتمل ہے۔ نظیر کو منظر نگاری پر مہارت حاصل ہے۔ ان کی منظر نگاری کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ذہن ایک مصور کا ذہن ہے۔ وہ منظر کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ منظر متحرک نظر آنے لگتا ہے۔ بقول ابو اللیث صدیقی 'منظر متحرک معلوم ہوتا ہے'۔

نظیر نے اپنی بیشتر نظمیں مخمس میں لکھی ہیں۔ مسدس میں بھی انہوں نے نظمیں لکھی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ نظم میں جو بنیادی خیال یا جذبہ ہے اس کے تاثر میں شدت پیدا کرنا اور تسلسل قائم کرنا ہے جس میں نظیر کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔

نظیر کا فن ان کے دور کے انسان اور سماج کی بے باک اور حقیقی آواز ہے۔ ان کے دور کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے نظیر کا فن ایک اہم ترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے دور سیاسی اور سماجی حالات، تہذیب و تمدن کا زوال، اخلاقی پستی اور معاشی بدحالی کو پوری سچائی کے ساتھ اپنی شاعری میں پیش کر دیا ہے۔

پیسہ ہی حسن دلاتا ہے انساں کی بات کو
پیسہ ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو
بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو
بن پیسے یار دولھا بنے آدھی رات کو
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

4.4 نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات

نظیر اکبر آبادی نے اردو ادب میں میں غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہیں۔ انہوں نے بہت لکھا ہے اور عوام الناس کے ہر طبقے کی ترجمانی کی ہے۔ ان کے جیسی ہمہ جہتی اردو شاعری میں کم ہی نظر آتی ہے۔ نظیر زود گو شاعر تھے، چلتے پھرتے شعر کہہ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا کلام محفوظ نہیں کیا تھا اس لیے ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ ضایع ہو گیا۔ ان کے شاگردوں کی کوششوں اور بعض محققین کی مدد سے جو ہم تک پہنچ سکا، وہ ان کی شعری عظمت اور بیش بہا ادبی خدمات کی واضح دلیل ہے۔ نظیر جب اردو شاعری کے افق پر طلوع ہوئے تو ایک انقلاب لے کر آئے۔ انہوں نے شاعری میں الفاظ کے پیچ و خم، زبان کی فصاحت، صناعی اور ساحری پر توجہ صرف کرنے کے بجائے اپنے

لطیف تجربات کو اہمیت دی۔ کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

"عام اردو شعرا الفاظ کے الٹ پھیر کو شاعری سمجھتے ہیں۔ نظیر اپنے تجربات کے موزوں، رواں، موثر اظہار سے بحث رکھتے ہیں اور زبان کی فصاحت و پاکیزگی پر اپنے لطیف تجربات کو نثار نہیں کر دیتے۔ اسی وجہ سے ان کی زبان غیر فصیح سمجھی جاتی ہے۔ نظیر انہیں الفاظ کا استعمال روا رکھتے ہیں جو ان کی گفتگو میں عام طور پر مستعمل تھے، جو ان کے گرد و پیش استعمال ہوئے تھے۔"

(اردو شاعری پر ایک نظر، ضمیمہ ص 3)

کلیم الدین احمد نے نظیر کی عظمت کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ نظیر کے ساتھ ایک المیہ یہ رہا کہ بیشتر تذکرہ نگاروں اور نقادوں نے انہیں نظر انداز کیا ہے یا صرف ان کے نقائص بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو شاعری کی تاریخ میں نظیر اکبر آبادی کی اہمیت صرف ایک شاعر یا فنکار کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ وہ اردو شعر و ادب میں ایک نئی روایت کے بانی اور پیش رو ہیں۔ نظیر بنیادی طور پر شاعر ہیں۔ اردو نثر میں نظیر نے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ البتہ فارسی نثر میں ان کی نو کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ عبد الغفور شہباز نے ان میں سے پانچ دستیاب کی تھیں۔ حالانکہ وہ طبع نہیں ہوئیں۔ نظیر نے شاعری میں کئی اصناف پر توجہ دی ہے۔ انہوں نے نعت، منقبت، غزل، قصاید، شہر آشوب اور مثنویاں لکھی ہیں۔ رباعیات، مسدس، مخمس، ترجیع بند، گرہ بند، مسحط اور تضمین وغیرہ بھی ان کے کلام کا اہم حصہ ہیں۔ انہوں نے سعدی کی کریما کی پوری تضمین لکھی ڈالی۔ ہیئت اور ساخت کے اعتبار سے نظیر نے مخمس اور مسدس کو پسند کیا ہے۔ ان کی بیشتر شاعری مخمس اور مسدس کی ہیئت میں ہی لکھی گئی ہے۔

نظیر کو اپنے خیال کے اظہار کے لیے تسلسل اور وسعت بیان کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی غزلوں میں بھی اشعار مربوط اور مسلسل نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں اس قدر وسعت بیان ہے کہ ان کی بیشتر غزلوں میں قطعہ شامل ہے۔

نظیر نے اپنی شاعری میں معاشیات کو خاص طور سے موضوع بنایا ہے۔ وہ پہلے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے سماج میں معاشیات کی اہمیت کو سمجھا اور معاشیات کو باقاعدہ اپنی شاعری میں جگہ دی۔ نظیر کے یہاں اس دور کی معاشی بدحالی، غربت، افلاس، پیسہ، روٹی، بھوک، جیسے موضوعات کثرت سے ان کی شاعری میں بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی نظموں کے عنوان بھی اس طرح کے قائم کیے ہیں۔ اس موضوع پر لکھی نظموں میں روپیا، پیسا، تلاش زر، روپیا نامہ، آٹا دال، روٹیاں، چپاتی نامہ، مفلسی اہم نظمیں ہیں۔ نظیر معاشی بدحالی کو صرف ایک مسئلہ نہیں سمجھتے بلکہ انسانی زندگی کے بیشتر مسائل اسی سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر نے اس موضوع پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ نظیر کے ان نظموں کے مطالعے سے ان کی گہرے معاشی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ نظم 'روٹی نامہ' کا ایک بند دیکھیے:

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر خواہش باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اردو شاعری میں نظیر اکبر آبادی نے نئی طرز یا نیا انداز بیان ہی ایجاد نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس دور کی مروجہ اور مقبول اصناف شعر مثلاً غزل اور قصیدہ کے بجائے نظم کو اپنے اظہار کا اہم وسیلہ بنایا۔ انہوں نے روایت سے انحراف کر کے اردو شاعری کو ایک نئے راستے پر لے جانے کا عزم کیا اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔ انہوں نے صدیوں سے قائم ایک روایت سے بغاوت کر کے اردو کی ایک ایسی صنف پر اپنی بیشتر توجہ صرف کی جس کو کوئی قابل قدر اہمیت حاصل نہیں تھی۔ لوگوں کو یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس صنف میں بیان کے اس قدر وسیع امکانات پوشیدہ ہو سکتے ہیں جو شاید دوسری شعری اصناف میں نہیں ہیں۔ نظیر نے نظم کو اپنا وسیلۂ اظہار بنا کر اس میں زبان و بیان کے وسیع امکانات دریافت کیے۔ نظیر نے غزلیں بھی کہی ہیں اور دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے مگر ان کا اصل میدان نظم گوئی ہے۔ انہوں نے اپنے اظہار خیال کے لیے نظم کو اہم ذریعہ بنایا۔ نظیر نے عوامی مسائل اور زندگی کے بنیادی معاملات پر بہترین نظمیں تخلیق کی ہیں۔ ان کی اس طرح کی نظموں میں جو بے حد مقبول ہوئیں ان میں بنجارہ نامہ، روٹیاں، آدمی نامہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان نظموں میں نظیر کی فلسفیانہ طرز فکر نظر آتی ہے۔ عوام کے اہم مسائل اور زندگی کے بنیادی فلسفے کو بڑی خوبصورتی اور سہل پسندی سے نظیر نے پیش کر دیا ہے۔ طفلی، جوانی اور تندرستی جیسی نظموں میں نظیر نے عمر کے مختلف مرحلوں میں انسان کی جسمانی اور ذہنی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

نظیر نے حیات انسانی اور اور انسانی دنیا کے مختلف مسائل اور مناظر کو اپنی شاعری میں بخوبی پیش کیا ہے۔ ان کی فکری وابستگی سماج اور عام انسانوں سے تھی۔ اس لیے نظیر کے یہاں وہ تمام موضوعات اور مسائل بیان ہوئے ہیں جو اس عہد کی فضا میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی بہت مشہور نظم 'آدمی نامہ' مساوات انسانی پر لکھی گئی بہترین نظم ہے۔ آدمی نامہ کا ایک بند دیکھیے:

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے آدمی

اس نظم میں نظیر نے انسان اور انسان کی سماجی حیثیت کے مختلف پہلوؤں کی بڑی خوبصورت ترجمانی کی ہے جس سے ان کے انسانی زندگی کے گہرے شعور کا پتہ چلتا ہے۔

نظیر کی شاعری میں اس عہد کی اور انسان کی سماجی قدروں کی مکمل عکاسی نظر آتی ہے۔ نظیر ایک قلندر صفت انسان اور فطرت کے شیدائی تھے۔ تمام مذاہب اور ان کی شخصیتوں کا احترام کرتے تھے۔ ان کی دوستی ہر مذہب اور ہر پیشے کے لوگوں سے تھی۔ سب کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ وہ ستائش دنیا، حرص اور تصنع سے بے نیاز تھے۔ انہوں نے ہر مذہب اور ہر طبقے کے رسم و رواج، میلوں تیوہاروں اور مذہبی شخصیتوں پر نظمیں کہی ہیں۔ ان کی نظموں میں ہندوستان کے تمام مذاہب کے تیوہار، روایات، اور برگزیدہ شخصیات کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ انہوں نے عید، ہولی، دیوالی، شب برات، سلیم چشتی، گرونانک جیسے عنوان پر نظمیں لکھی ہیں۔ اس دور کی معاشرتی رسوم،

مذہبی تقریبات، تہذیبی اقدار، مجلسی آداب اور رہن سہن ان کی نظموں میں بیان ہوا ہے۔ مناظر فطرت پر انہوں نے دلکش نظمیں کہی ہیں۔ بہار، جانوروں، پرندوں، موسموں، پھلوں، پھولوں اور مناظر فطرت پر بہترین نظمیں ان کے کلام کو زینت بخشتی ہیں۔ اس طرح کی نظموں میں ہولی، ہولی کی بہاریں، موسم برسات، دوالی، برسات کا تماشا، جاڑے کی بہاریں، حضرت سلیم چشتی، گرونانک جی، بلدیو جی کا میلا، عید، شب برات، بسنت اہم نظمیں ہیں۔

نظیر نے تصوف کے مضامین کثرت سے اپنی نظموں میں بیان کیے ہیں۔ موت وحیات کے فلسفے اور دنیا کی بے ثباتی پر عمدہ نظمیں کہی ہیں۔ بنجارہ نامہ، دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے، توکل، فقیروں کی صدا، فنا، فنانامہ، دنیا بھی کیا تماشا ہے، دنیا کی نیکی بدی، دنیا، خواب غفلت اس قبیل کی بہترین نظمیں ہیں۔

نظیر نے حسن وعشق کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں بھی اس موضوع پر توجہ دی ہے اور اس موضوع پر نظمیں بھی کہی ہیں۔ محبوب کا سراپا، فراق، سوز فراق، طلسم وصال، جدائی، ملاقات یار جیسی نظموں میں وصل وفراق کے سوز وگداز اور محبوب کے حسن وسراپے کا دلفریب بیان ملتا ہے۔

نظیر کے مختلف رنگ اور ڈھنگ ان کی شاعری میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ طربیہ اور المیہ دونوں کیفیتوں کو بیان کرنے میں وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ مصلح کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں تو کبھی ایک فلسفی کی حیثیت سے۔ کبھی ایک صوفی بن کر دنیا کی بے ثباتی کا عبرت ناک بیان کرتے ہیں تو کبھی معاشی مسائل کے جزئیات کا حکیمانہ اظہار۔ کبھی حسن وعشق کی دلفریبی نظر آتی ہے تو کبھی فطرت کی دلکشی۔ ان کے کلام میں تنوع اور ہمہ جہتی ہے۔

نظیر کی شاعری کے مختلف انتخاب شائع ہوئے۔ جن میں سے مخمور اکبر آبادی کا مرتب کیا ہوا 'روح نظیر'، سلیم جعفر کا 'گلزار نظیر'، رشید حسن خاں کا 'انتخاب نظیر اکبر آبادی' اور مسعود حسین خاں کا 'منظومات نظیر اکبر آبادی' اہم ہیں۔

نظیر نے اپنا کلام محفوظ نہیں رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے کلام کا ایک حصہ تلف ہو گیا۔ ان کے شاگردوں کی کوشش سے ان کا کچھ کلام شائع ہوا۔ نظیر زود گو شاعر تھے۔ چلتے پھرتے شعر کہہ دیا کرتے تھے، اس لیے ان کا شعری سرمایہ بہت زیادہ تھا۔ گارساں دتاسی کے مطابق نظیر کا پہلا دیوان 1820ء میں لیتھو کے ذریعے سے دیوناگری میں چھپا جو بیالیس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد 1850ء میں خط نستعلیق میں دوسرا دیوان آگرہ سے شائع ہوا جسے نظیر نے خود ہی مرتب کیا تھا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کو یہ دونوں مجموعے آغا حیدر حسن دہلوی کے یہاں جو نظام کالج حیدر آباد میں پروفیسر تھے، دستیاب ہوئے۔ ان مجموعوں کے علاوہ نظیر کی ایک کلیات سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے جو بلاس رائے کے لڑکوں کے اہتمام سے شائع ہوئی، جو نظیر کے شاگرد تھے۔ (آگرہ کے ایک مکتب میں وہ دوسرے بچوں کے ساتھ ایک مشہور کاروباری لالہ بلاس رائے کے بیٹوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔) مولوی عبد الغفور صاحب شہباز نے تلاش وتحقیق کے بعد ایک کلیات مطبع نول کشور سے 1900ء میں شائع کیا۔ اس کو رشید حسن خاں نے سب سے بہترین نسخہ قرار دیا ہے۔ اس کے ذریعے نظیر کے کلام کے پندرہ سولہ ہزار اشعار محفوظ ہو گئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نظیر کی سوانح عمری مع نمونہ کلام کے 'زندگانیٔ بے نظیر' کے عنوان سے شائع کی۔ کلیات نظیر مولانا عبد الباری آسی اور مولوی اشرف علی لکھنوی نے ترتیب دیا اور حواشی کے ساتھ 1950ء میں شائع کیا۔

نظیر کا پہلا انتخاب سید محمد مخمور رضوی نے 'روح نظیر' کے نام سے 1922ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے میں نظیر کی چالیس نظمیں شامل تھیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے 1942ء میں 'دیوان نظیر' مرتب کر کے شائع کیا۔ نظیر نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کی ہے۔ نظیر نے ایک دیوان فارسی میں بھی ترتیب دیا تھا حالانکہ وہ اب دستیاب نہیں ہے۔ ان کے مطبوعہ اردو کلام میں چند فارسی غزلیں، مختلف ردیفوں میں فارسی کے متفرق اشعار، چار منظوم خطوط، ذکر بہار، شکر پروردگار، صفت جمنا، صفت اکبر آباد، جیسے عنوانات سے دیگر منظومے، چھبیس، رباعیات اور دو واسوخت شامل ہیں۔

فارسی نثر میں نظیر کی نو کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ باطن (نظیر کے شاگرد) نے نظیر کی نو کتابوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ انہوں نے صرف سات کے نام گنوائے ہیں۔ نرمی گزیں، قدر متین، فہم قرین، بزم عیش، رعنا زیبا، حسن بازار، طرز تقریر، لیکن ان میں سے ایک بھی طبع نہیں ہوئی۔ ان کے آٹھ فارسی رسالوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔

4.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظیر اکبر آبادی نے جس عہد میں آنکھ کھولی وہ سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے انتشار اور زوال کا دور ہے۔ ہر طرف افراتفری اور بے بسی کا عالم تھا۔ مغلیہ سلطنت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔
- اورنگ زیب کی وفات (1707ء) سے پہلے ہی زوال کے آثار ظہار ہونے لگے تھے۔ مسلسل فوج کشی اور جنگوں کی بنا پر جانی اور مالی نقصان اس قدر ہوا کہ فارغ البالی نہ رہی۔ اورنگزیب کے بعد کمزور حکمرانوں کی نا اہلی اور کمزوری کی وجہ سے بغاوتوں اور حملوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔
- نادر شاہ نے 1739ء میں دہلی کو پوری طرح تاراج کر دیا۔ اس کے بعد مراٹھوں اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں نے دہلی کو مکمل طور پر اجاڑ دیا۔ دہلی کا یہ دور سیاسی اور سماجی اعتبار سے اس وقت تک کا سب سے خراب دور تھا۔
- نظیر اکبر آبادی انسانی زندگی کے تلخ تجربوں، عام آدمی کی مشکلات، غربت، افلاس، سماج میں منافقت، منافرت، مشترکہ تہذیب اور مشترکہ قدروں پر پڑتی چوٹیں اور مفاد پرستوں کی سازشیں، ہوس پرستوں کی حرص اور انسانی قدروں کی پامالی کو دیکھتے ہوئے پلے بڑھے تھے۔
- نظیر کی فنی تشکیل میں ان کے عہد کی انسانی زندگی اور سیاسی و سماجی حالات نے ان کی فکری تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ نظیر کا ذہن حرص و طمع سے پاک تھا۔ نظیر نے جس دور میں آنکھ کھولی، وہ دور درباری قصیدہ گوئی کے لیے موزوں ترین دور تھا۔
- شعرا درباروں تک رسائی کے لیے قصیدوں کا سہارا لیتے تھے، لیکن نظیر نام و نمود اور دولت و منصب کی غرض سے پاک تھے۔ حیدرآباد، اودھ اور بھرت پور کے شاہی درباروں نے سفر کے اخراجات بھیج کر ان کو بلانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ نظیر قناعت پسند تھے اور اس معلمی کے پیشے میں قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

- نظیر سے پہلے اور نظیر کے دور میں بھی اردو شاعری حسن و عشق کے روایتی طرز اظہار پر مبنی تھی۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بندش الفاظ، تراکیب، پر پورا زور ہوتا تھا۔
- نظیر اکبر آبادی نے شاعری میں سماج اور عوام کے مسائل پر توجہ دی اور زبان و بیان کی بھول بھلیاں میں الجھنے کے بجائے شاعری کو راست گوئی کے راستے پر گامزن کرنے کی کوشش کی۔ نظیر اکبر آبادی عوام کے شاعر تھے۔ انہوں نے شاعری کو عوام سے جوڑنے کے جتن کیے۔
- عوام کے مسائل عوام کی زبان میں آسان اور سہل انداز بیان کے ساتھ سادگی سے اس طرح بیان کیے کہ عوام کو سمجھ میں آنے لگے۔ نظیر نے اردو شاعری کو عام انسان سے قریب کرنے کی کوشش کی اور خواص کے حصار سے باہر نکال کر اسے وسعت دی۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر اکبر آبادی کو اردو زبان کا پہلا عوامی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔
- نظیر کا فن انسان کی مشترکہ قدروں سے عبارت ہے۔ نظیر انسان اور اس کی سماجی حیثیت کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور سماج کی بات کرتے ہیں۔ ان کے فن میں انسانی زندگی کے مختلف پہلو، مشترکہ قدریں، انسانی زندگی کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔
- ان کی شاعری عام انسانوں کی آواز اور بدلتے سماج کی آئینہ داری کی بہترین مثال ہے۔ نظیر ہر مذہب اور مسلک کے لوگوں سے لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے سکھ دکھ میں شریک ہوتے تھے۔
- ہر مذہب کے تیوہاروں، رسم و رواج اور تہذیب پر انہوں نے نظمیں لکھی ہیں۔ ہر مذہب کی شخصیات پر نظمیں تحریر کر کے انہیں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔
- نظیر کی شخصیت اور ان کا فن ہندوستان میں نہ صرف ہندو اور مسلم بلکہ تمام مذاہب اور مسالک کے درمیان اتحاد اور بھائی چارے کی نمایاں مثال ہے۔
- زبان و بیان کے لحاظ سے دیکھیں تو نظیر زبان و بیان کی باریکیوں، الفاظ کے پیچ و خم، صناعی اور الفاظ و کی ترکیب و تعمیر کو بنیادی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک وہ جذبہ اور خیال اہم ہے جس کو وہ برتنا چاہتے ہیں۔
- نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں الفاظ کی جادوگری نظر نہیں آتی۔ تصنع نظر نہیں آتا۔ لفظی صناعی سے زیادہ انہوں نے جذبے اور خیال کو اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری میں مبالغہ آرائی، تصنع کے بجائے سادگی، خیال اور جدت فکر کے خوبصورت مرقعے جابجا نظر آتے ہیں۔
- اردو شاعری میں نظیر اکبر آبادی نے نئی طرز یا نیا انداز بیان ہی ایجاد نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس دور کی مروجہ اور مقبول اصناف شعر مثلاً غزل اور قصیدہ کے بجائے نظم کو اپنے اظہار کا اہم وسیلہ بنایا۔ انہوں نے روایت سے انحراف کر کے اردو شاعری کو ایک نئے راستے پر لے جانے کا عزم کیا اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔
- نظیر کا پہلا دیوان 1820ء میں لیتھو کے ذریعے سے دیوناگری میں چھپا جو بیالیس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد 1850ء میں خط

نستعلیق میں دوسرا دیوان آگرہ سے شائع ہوا، جسے نظیر نے خود ہی مرتب کیا تھا۔

- مولوی عبد الغفور صاحب شہباز نے تلاش و تحقیق کے بعد ایک کلیات مطبع نول کشور سے 1900ء میں شائع کیا۔ اس نسخے کو رشید حسن خاں نے سب سے بہترین نسخہ قرار دیا ہے۔ اس کے ذریعے نظیر کے کلام کے پندرہ سولہ ہزار اشعار محفوظ ہو گئے۔

4.6 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
انتشار	:	بد نظمی، پریشانی
ابتری	:	خرابی، تباہی
ارباب کمال	:	ہنر مند اور باکمال لوگ
حرص	:	لالچ
نام و نمود	:	شان و شوکت، شہرت
راست گوئی	:	سچی بات کہنا
حصار	:	دائرہ، گھیرا
ساحری	:	جادوگری
صناعی	:	مہارت فن، کاریگری
مروجہ	:	رائج الوقت
طبع آزمائی	:	اپنے فن کے جوہر دکھانا
زود گو	:	زیادہ شعر کہنے والا
معاشی	:	اقتصادی، کسی معیشت یا صنعت سے متعلق
مخمس	:	پانچ کونوں والا، خمس (پانچ) سے بنا ہے۔ وہ مسلسل نظم جس میں ہر بند میں پانچ بند ہوں۔
مسدس	:	سدس (چھ) سے بنا ہے۔ اس نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں۔
طربیہ	:	جس سے خوشی کا احساس پیدا ہو

4.7 نمونہ امتحانی سوالات

4.7.1 معروضی سوالات

1۔ نظیر نے اپنی زیادہ تر نظمیں کس ہیئت میں لکھی ہیں؟

(a) مثلث (b) مخمس (c) مسدس (d) مثمن

2۔ اردو نثر میں نظیر کی کتنی تصانیف ہیں؟

(a)ایک بھی نہیں (b) دو (c)چار (d)سات

3۔ فارسی نثر میں نظیر کی کتنی تصانیف ہیں؟

(a)نو (b)سات (c)پانچ (d)تین

4۔ نظیر کی نظموں میں معاشی بدحالی، غربت، افلاس، پیسہ، روٹی، بھوک، جیسے موضوعات کس مسئلے کو اپیل کرتی ہیں؟

(a)ذاتی (b)معاشی (c)سیاسی (d)سماجی

5۔ نظیر نے کس صنف کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا؟

(a) غزل (b) رباعی (c) نظم (d) شہر آشوب

6۔ انسان اور انسان کی سماجی حیثیت کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی نظیر نے کس نظم میں کی ہے؟

(a) آدمی نامہ (b) روٹی نامہ (c) دیوالی (d) کرشن جی

7۔ کس شاعر کی نظموں میں اس کے دور کی معاشرتی رسوم، مذہبی تقریبات، تہذیبی اقدار، مجلسی آداب اور رہن سہن کا بیان ہے؟

(a) حالی (b)نظیر (c) آزاد (d) اقبال

8۔ 'روح نظیر' کے عنوان سے نظیر کی شاعری کا انتخاب کس نے شائع کیا؟

(a)مخمور اکبر آبادی (b) سلیم جعفر (c) رشید حسن خاں (d) مسعود حسین خاں

9۔ کس محقق کے مطابق نظیر کا پہلا دیوان 1820ء میں لیتھو کے ذریعے سے دیوناگری میں چھپا جو بیالیس صفحات پر مشتمل تھا؟

(a) رشید حسن خاں (b) حنیف نقوی (c)گارساں دتاسی (d) مسعود حسین خان

10۔ نظیر کے مطبوعہ کلام میں کتنے واسوخت ہیں؟

(a) ایک (b)دو (c) تین (d) چار

4.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کی فکری تشکیل پر روشنی ڈالیے۔

2۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعرانہ خصوصیات پر اظہار خیال کیجیے۔

3۔ نظیر اکبر آبادی کے کلیات، دیوان اور انتخابوں پر روشنی ڈالیے۔

4۔ نظیر کے فنی اور فکری امتیازات پر اظہار خیال کیجیے۔

5۔ اردو شاعری میں نظیر کے مرتبے کا تعین کیجیے۔

4.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری کے انفرادی پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔

2۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم گوئی پر اظہار خیال کیجیے۔

3۔ نظیر اکبر آبادی کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

4.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	کلیات نظیر	نظیر اکبر آبادی
2۔	انتخاب نظیر اکبر آبادی	مرتبہ ناصر کاظمی
3۔	زندگانی بے نظیر	پروفیسر عبدالغفور شہباز
4۔	گلزار نظیر	مرتبہ مخمور اکبر آبادی
5۔	نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری	سید طلعت حسین نقوی
6۔	اردو شاعری پر ایک نظر	کلیم الدین احمد

4.7.1 کے جوابات:

b۔1	a۔2	a۔3	b۔4	c۔5
a۔6	b۔7	a۔8	c۔9	b۔10

اکائی 5 : نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری (امتیازی خصوصیات)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری کے امتیازات

5.2.1 ہندوستانی عناصر

5.2.2 عوامی شاعری

5.2.3 قومی یکجہتی

5.3 اکتسابی نتائج

5.4 کلیدی الفاظ

5.5 نمونہ امتحانی سوالات

5.5.1 معروضی سوالات

5.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

دنیا عارضی ہے اور ہر انسان کو ایک دن یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ اس دنیا سے جانے کے بعد ہر شخص مرنے کے بعد یاد نہیں رکھا جاتا۔ حقیقی عظمت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی صلاحیتوں کو انسانیت کی بھلائی کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایسے کارنامے چھوڑ جاتے ہیں جن سے آنے والی نسلیں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ دولت، طاقت اور عہدے سے حاصل ہونے والی عزت عارضی ہوتی ہے، جب کہ علم، کردار اور کارآمد خدمات انسان کو ہمیشہ زندہ رکھتی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی بھی ایسی ہی عظیم اور باکمال شخصیت تھے جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے عہد کی بھرپور عکاسی کی۔ ان کے ادبی کارنامے نے انہیں وہ جاودانی بخشی ہے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام باقی رہے گا۔

نظیر کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد ایک زمانے تک ان کی ادبی عظمت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ انہوں نے غزل اور نظم دونوں

اصناف میں طبع آزمائی کی، تاہم ان کی اصل شہرت اور اہمیت نظم کی وجہ سے ہے۔ ناقدین نے ان کی نظموں کو ان کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ قرار دیا ہے۔ اردو نظم کی ترقی میں نظیر کا مقام نہایت اہم ہے اور انہیں اس صنف میں ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی نظموں میں ان کی شخصیت، مشاہدات اور عہد کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اس اکائی میں ہم نظیر کی نظم نگاری کی خصوصیات کا مطالعہ کریں گے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- اردو نظم کے کلاسیکی رنگ کو سمجھ سکیں۔
- نظیر کی شاعری میں ہندوستانی عناصر کی نشاندہی کر سکیں۔
- نظیر کے عوامی شاعر ہونے کی توجیہ کو سمجھ سکیں۔
- نظیر کے کلام میں قومی یکجہتی کے عناصر پر اظہار خیال کر سکیں۔
- نظیر کے مذہب انسانیت کو سمجھ سکیں۔
- ہندوستان اور خصوصاً آگرہ کے رسم و رواج، میلو ٹھیلوں اور تیج تہوار سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- اردو نظم میں موضوعات کے تنوعات سے واقف ہو سکیں۔

5.2 نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری کے امتیازات

نظیر اکبر آبادی صرف شاعر نہیں بلکہ ایک مفکر اور مصلح بھی تھے۔ انہوں نے انسانی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کو زندگی کی حقیقتوں سے آگاہ کیا۔ ان کا کلام محض حسن و عشق تک محدود نہیں بلکہ عام انسان کی زندگی کے مسائل اور تجربات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ نظیر کی شاعری میں ان کی اپنی شخصیت، مشاہدات اور تجربات کے ساتھ ساتھ ان کے عہد کے حالات بھی نمایاں ہیں، اسی لیے ان کا کلام اس زمانے کی معاشرتی اور انسانی زندگی کی ایک واضح تصویر پیش کرتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے ایسے دور میں شاعری کی جب ہندوستان سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی زوال کا شکار تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کو گہری نظر سے دیکھا اور اپنی شاعری میں امراء کے ساتھ متوسط اور غریب طبقے کی مشکلات اور معاشرتی برائیوں کو پیش کیا۔ آیئے اب ان کے کلام کی امتیازی خصوصیات میں سب سے پہلے ہندوستانی عناصر پر نظر ڈالتے ہیں۔

5.2.1 ہندوستانی عناصر:

اردو شاعری نے ابتدا میں فارسی شاعری سے اثر قبول کیا۔ بیشتر شعرا نے ایرانی شاعروں کے موضوعات، خیالات، بحروں اور اندازِ بیان کو اپنایا، جس کی وجہ سے اردو شاعری پر مستعار ہونے کا الزام بھی عائد کیا گیا، تاہم میر اور سودا جیسے شاعروں کے کلام میں ہندوستانی رنگ کی مثالیں ملتی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے اس روایت سے ہٹ کر اپنی شاعری میں خالص ہندوستانی تہذیب اور معاشرت کو جگہ

دی۔ان کی شاعری میں موسموں، تہواروں، پھلوں، مقامی مقامات، اخلاق، نصیحت اور تصوف کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ہندوستانی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی گہری جھلک ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ہندوستانی دریا، پہاڑ، کردار اور مقامی روایات کو بنیاد بنایا۔ انہیں ہندوستان کی ہر چیز سے محبت تھی اور یہی محبت ان کی شاعری میں انسانوں کے ساتھ جانوروں اور چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کے ذکر کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک کائنات کی ہر مخلوق اہم اور قابلِ احترام ہے۔ نظیر ایک درد مند دل رکھتے تھے، انسان تو انسان، انہیں درندوں سے بھی بے حد و بے پایاں محبت تھی۔ 'معجزہ حضرت علی علیہ السلام ' کے عنوان سے لکھے گئے ایک مخمسے میں نظیر نے اس ماحول کا ایک سادہ سا نقشہ کھینچ دیا ہے، جہاں رہنا شیر خطرناپسند کرتا ہے۔

جس دشت میں شکار کو گزرا تھا وہ غنی واں ایک شیر رہتا تھا اور اس کی شیرنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز بھی بنی چھ بچے ، اس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی
دس بیس روز کے تھے، ابھی طفل شیر خوار

شیر اور شیرنی کسی بھی طرح کی آنے والی مصیبت سے بالکل بے خبر تھے اور خوش حالی سے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔:

بچوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بے زباں دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادماں
بندوق کی جو آئی صدا اس میں ناگہاں نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم حال
بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

نظیر اکبر آبادی حقیقی معنوں میں ہندوستان کے شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں یہاں کے لوگوں، رہن سہن اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنایا۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی مقامی رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف تہواروں، میلوں، تقریبات اور رسوم و رواج کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ ان نظموں میں ہولی، دوالی، راکھی، جنم کنھیا جی، بلدیو جی کا میلا، درگا جی کے درشن، بھیروں، مہادیو کا بیاہ، کبوتر بازی، پتنگ بازی، تیراکی کا میلا، عرس حضرت سلیم چشتی کے علاوہ عید اور شب برات بھی شامل ہیں۔ ان تمام تہواروں میں ہولی نے نظیر کو خاص طور پر متاثر کیا۔ 'گلزارِ نظیر' میں ہولی کے عنوان سے دس نظمیں شامل ہیں۔ ان نظموں میں رنگ، خوشی، رقص، تفریح اور عوامی جوش و خروش کی خوب صورت منظر کشی کی گئی ہے۔ ان نظموں سے نظیرؔ کی ہندوستانی تہذیب اور عوامی زندگی سے گہری وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔

میاں تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی بہار ہولی میں ہوا ہے زور چمن آشکار ہولی میں
عجب یہ ہند کی دیکھی بہار ہولی میں

نظیرؔ ہولی کا موسم جو جگ میں آتا ہے وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے

جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

راکھی بھی ہندوستان کا ایک اہم مقامی تہوار ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں کے تہواروں کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور ان کے حقیقی ہندوستانی رنگ کو نمایاں کیا۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے صرف ان تہواروں کا تصوراتی ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی عوامی زندگی اور رسم و رواج کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا۔ دوالی کے بارے میں ان کی نظم 'ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا' بھی ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے اور دوالی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔

آگرہ کو تاج محل کا ہی نہیں، میلوں ٹھیلوں کا شہر بھی ہے، جہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی میلا لگا رہتا ہے۔ تیراکی کا میلا، بلدیو جی کا میلا، پتنگ بازی کا کھیل تماشا، عرض یہ کہ سال بھر کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ نظیر ان میلوں ٹھیلوں میں گھومتے اور ان میں گھل مل جاتے ہیں، جیسے وہ خود ہی تماشا ہوں اور خود ہی تماشائی۔ 'آگرے کی تیراکی' پر بھی نظیرؔ نے ایک نظم لکھی ہے۔

نظیر درویش صفت انسان تھے اور درویش کے لیے خدا کا ہر بندہ برابر ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی سب سے بہترین مثال ان کی نظم 'بلدیو جی کا میلا' ہے۔ اس کے علاوہ گرونانک پر لکھی گئی ان کی نظم 'مدح نانک شاہ گرو' سے ان کی بے تعصبی اور وسعت نظری کا اندازہ ہوتا ہے:

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو — وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ناہ گرو
مقصود مراد امید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو — نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

نظیر نے جہاں ایک طرف بلدیو جی اور سرکرشن کی مدح لکھی وہیں وہ مسلم صوفی بزرگوں کی بارگاہ میں بھی عقیدت کے پھول چڑھائے۔ وہ سلیم چشتی کی مزار پر دل و جان نثار کرتے ہیں اور ان کی لکھی ہوئی نظموں کی آواز آج بھی سلیم چشتی کے مزار پر گونجتی ہوئی معلوم ہوتی ہے:

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتی — عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتی — مقبولِ خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
سردار ملکِ عرفاں حضرت سلیم چشتی

ہندوستانی تہذیب میں شری کرشن کی شخصیت کو بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے بھی شری کرشن کی زندگی اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اپنی کئی نظموں کا موضوع بنایا۔ ان نظموں میں ہندوستانی معاشرت، روایات اور لوگوں کے رہن سہن کی خوب صورت عکاسی ملتی ہے۔ خاص طور پر شری کرشن کے بچپن پر لکھی گئی نظم (بالپن-بانسری بجیاکا) اردو شاعری میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں نظیر نے کرشن جی کی بچپن کی شرارتوں اور کھیل کود کو نہایت دلچسپ اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ ایک بند میں وہ کرشن کے چپکے

سے دودھ، مکھن اور ملائی کھانے کا منظر بڑی سادگی اور خوب صورتی سے پیش کرتے ہیں:

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر سے جابجا　　جس گھر کو خالی دیکھا اسی گھر میں جا پھرا
ماکھن ملائی، دودھ جو پایا وہ کھا لیا　　کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا
ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

نظیر کے دور میں کنکوے بازی اور کبوتر بازی لوگوں کے پسندیدہ مشغلوں میں شامل تھیں۔ لوگ ان کھیلوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے اور اپنی مہارت دکھاتے تھے۔ نظیر نے ان موضوعات کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی اور ان کے ذریعے اُس زمانے کے ہندوستانی معاشرے اور مقامی زندگی کی عکاسی کی۔ خاص طور پر 'کبوتر بازی' میں انھوں نے ہندوستان میں پائے جانے والے مختلف پرندوں کا ذکر کیا ہے۔

نظیر نے صرف تہواروں، میلوں اور عوامی تقریبات ہی کو اپنی شاعری کا موضوع نہیں بنایا بلکہ قدرتی مناظر اور موسم کی مختلف کیفیات کو بھی شعری انداز میں پیش کیا۔ آندھی، تاریک رات، چاندنی اور صبح کے وقت جیسے مناظر پر بھی انھوں نے نظمیں کہیں۔ ان کی ایسی تمام تخلیقات میں ہندوستانی ماحول، مقامی تہذیب اور عوامی زندگی کا رنگ واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی مثال نظم 'آندھی' کے درج ذیل بند میں دیکھی جاسکتی ہے:

نہ ہو کیوں کر جہاں یارو، زبر اور زیر آندھی میں　　کہ ہو کر باؤلے پھرتے ہیں، بن کے شیر آندھی میں
لگا لینے جو کل دامن، ہوا کا گھیر آندھی میں　　بگولے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مڈبھیڑ آندھی میں

آندھی کے وقت زمین پر مٹی کا اڑنا، ہر طرف گرد و غبار پھیل جانا اور بگولوں کا بننا ایسے فطری مناظر ہیں جن سے عام طور پر ہر شخص واقف ہوتا ہے۔ اسی طرح صبح کے وقت مرغ کی آواز نظیر کو ناگوار نہیں محسوس ہوتی ہے لیکن طلوعِ صبح کا حسین منظر ان کی توجہ فوراً اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ صبح کے پھیلتے ہوئے اجالے، گجر کی آواز، کھلتے ہوئے پھولوں اور چلتی ہوئی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کرتے ہیں اور ان سب کا ذکر اپنی شاعری میں نہایت سادہ اور قدرتی انداز سے کرتے ہیں۔

نظیر کے نزدیک صبح کا وقت صرف دن کے آغاز کا نام نہیں بلکہ یہ پاکیزگی، اللہ کی یاد اور دل کو سکون دینے والی کیفیت کا وقت ہے۔ اسی وجہ سے وہ صبح کے وقت آوازیں نکالنے والے پرندوں کو اس پُر سکون اور پاکیزہ ماحول کا ایک اہم حصہ سمجھتے ہیں۔

کس کس کا لوں نام غرض، ہیں جتنے طائر خورد و کبیر　　کوئی کہے 'یا حی توانا' کوئی کہے 'یارب قدیر'
طائر تو سب یاد کریں، اور ہم غفلت میں رہیں اسیر　　ہم سا غافل دنیا میں، اب کوئی نہیں ہے، آہ نظیرؔ

نظیر پرندوں کی آوازوں اور ان کی فطری خصوصیات کو گہرائی سے سمجھتے تھے۔ ان کی دلچسپی صرف بلبل، فاختہ، کوئل اور پپیہے تک

محدود نہیں تھی بلکہ وہ مختلف پرندوں سے واقف تھے اور ان کی آوازوں کو اپنی شاعری میں بیان کرتے تھے۔ اس سے ان کی فطرت شناسی اور ہندوستان کی مقامی زندگی سے گہری محبت ظاہر ہوتی ہے۔ عام لوگ جن پرندوں کے نام اور آوازوں سے ناواقف تھے، نظیر نے ان کی بھی تفصیل اپنی نظم میں پیش کی۔ مثلاً چیل کی آواز کو "کطی السجل" اور برسات میں مور کی آواز کو "زٹل" کہا۔

نظیر کی وطن سے محبت ان کی نظموں کے موضوعات سے واضح ہوتی ہے۔ انہوں نے ہندوستان کی سبزیوں، پھلوں اور میووں کو بھی شاعری کا موضوع بنایا۔ اسی سلسلے میں انھوں نے 'آگرے کی ککڑی' کے عنوان سے ایک نظم لکھی، جس میں آگرے کی گرمی میں ملنے والی ٹھنڈی اور نرم ککڑیوں کی خوبی بیان کی گئی ہے:

پہنچے نہ اس کو ہرگز کابل درے کی ککڑی　　نے پورب اور نہ پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نے ورے کی ککڑی　　دکھن کی اور نہ ہرگز اس سے پرے کی ککڑی
کیا خوب نرم و نازک، اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اسکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی، اور پتلی پتلیاں ہیں　　گنے کی پوریاں ہیں، ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں، شیریں کی ہنسلیاں ہیں　　مجنوں کی سرد آہیں، لیلیٰ کی انگلیاں ہیں
کیا خوب نرم و نازک، اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اسکندرے کی ککڑی

نظیر کے مقامی رنگ کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے کہ تشبیہات کی تلاش میں فرہاد و شیریں کے ساتھ نظیر کا ذہن لیلی و مجنوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ نظیر نے ککڑی کی صفات بیان کرنے میں مختلف طرح کی ہندوستانی مٹھائیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے مثلاً برفی، جلیبی، امرتی اور مصری وغیرہ:

میٹھی ہے جس کو برفی کہیے گلابی کہیے　　یا حلقے دیکھ اس کے تازی جلیبی کہیے
تل شکریوں کی پھانکیں، اب یا امرتی کہیے　　سچ پوچھیے تو اس کو دندان مصری کہیے
کیا خوب نرم و نازک، اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر، اسکندرے کی ککڑی

آگرہ میں گرمی بہت سخت ہوتی ہے اور اس گرمی میں کلیجے کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے تربوز کا استعمال خوب کرتے ہیں۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ نظیر نے تربوز کی کھیتی اور لوگوں کے درمیان اس کی مقبولیت کا منظر نہ دیکھا ہو۔ اپنی نظم 'تربوز' میں اس طرح رقمطراز ہیں:

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز　　کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز　　جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تو بوز

اب تو بازار میں بکتے ہیں برابر تو بوز

پیار سے جب ہے وہ تربوز کبھی منگواتا چھلکا اس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہے پہنا
اور یہ کہتا ہے کہ پھینکا تو چکھا دوں گا مزا کیا کہوں یارو میں اس شوخ کے ڈر کا مارا
دو دو دن رکھے ہوئے پھرتا ہوں سر پر تو بوز

گرمی کے ساتھ ساتھ آگرے میں سردی بھی کافی زیادہ ہوتی ہے۔ سردی کے زمانے میں لوگ ٹھنڈ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے حفاظت کے لیے وہ گرم اشیاء کا استعمال کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تل کے لڈو بھی کافی فائدے مند ہیں۔ نظیر نے طبی نقطہ نظر سے اس کے فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے موسم کی کیفیت کے مد نظر اپنی نظم 'تل کے لڈو' میں اس کے فوائد بیان کیے ہیں۔

'کورا برتن' نظیر کی ایک خوبصورت نظم ہے۔ اس نظم میں ایک معمولی برتن کو ہندوستانی مٹی اور تہذیب سے جوڑ کر اسے غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ جامِ جم سے بھی زیادہ اہم محسوس ہوتا ہے۔

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی ان میں جب کھنکی کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جن لوگوں نے کورے برتن میں پانی ڈالنے کی خوب صورت آواز سنی ہے وہ اس بند کی اصل خوبصورتی محسوس کر سکتے ہیں۔ نظیر کے مطابق کورے برتن میں پانی پینے کا لطف آبِ حیات سے بھی بڑھ کر ہے۔ چونکہ اس سے بہتر ذائقہ اور لذت کا تصور مشکل ہے، اس لیے اسے آبِ حیات سے زیادہ لذیذ کہنا مبالغہ نہیں۔ ع

سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں
ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں

نظیر اکبر آبادی نے برسات، جاڑا، بسنت اور اُومس جیسے ہندوستانی موسموں پر نظمیں لکھ کر اپنی ہندوستانی شناخت ظاہر کی۔ وہ موسموں کے بدلتے رنگوں اور ان کے انسانی زندگی پر اثرات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی موسمی نظموں میں فطرت کی حقیقی کیفیت اور ہندوستانی معاشرت کی جھلک نمایاں ہے۔ نظم "جاڑا" میں انہوں نے سردی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے جاڑے کی ایک جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہے۔

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی پالا بھی، برف پگھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھوک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

'اُومس' بھی نظیر کی ایک اہم موسمی نظم ہے۔ اس نظم میں انہوں نے ہندوستان کے موسمِ برسات میں پیدا ہونے والی اومس کی کیفیت اور اس کے باعث انسان کو ہونے والی مختلف پریشانیوں کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اس نظم کی خاص بات یہ ہے کہ نظیر نے اومس کی کیفیت کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری نظم پڑھتے ہوئے خود بھی اس گھٹن، گرمی اور بے چینی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔

نظیر کی منظر نگاری اس نظم میں بہت مؤثر دکھائی دیتی ہے۔ وہ برسات کے دنوں میں شدید گرمی، حبس اور اومس کے باعث انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والی بے چینی کو بالکل فطری انداز میں بیان کرتے ہیں۔ نظم کے اشعار میں موسم کی کیفیت اس قدر جاندار انداز میں سامنے آتی ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں اس ماحول کی مکمل تصویر بن جاتی ہے۔ ذیل میں نظم کا متعلقہ بند ملاحظہ کیجیے۔

بدلی کے جو گھِر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند　　پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پنکھے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کھڑا بند　　دم رک کے گھلا جاتا ہے کرنے سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

برسات کے موضوع پر بہت سے شاعروں نے نظمیں اور اشعار لکھے ہیں، لیکن نظیر کی برسات اپنی مخصوص ہندوستانی رنگ اور کیفیت کی وجہ سے منفرد ہے۔ انہوں نے ہندوستانی برسات کے مناظر، اس کی خوبصورتی اور اس سے پیدا ہونے والی کیفیات کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ آج بھی ان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ نظیر نے برسات کے قطروں سے لے کر ہر طرف پھیلی ہوئی شادابی اور دلکشی تک، ہندوستانی موسمِ برسات کی خوبصورتی کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کی دل فریبی انسان کو اس طرح اپنی طرف متوجہ کرتی ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر قدرت کے حسن میں کھو جاتا ہے۔ برسات کے موضوع پر انہوں نے تین نظمیں 'برسات اور پھسلن'، 'برسات کا تماشا'، 'برسات کی بہاریں' لکھی ہیں۔ 'برسات کی بہاریں' سے یہ بند ملاحظہ ہو:

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا　　اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو بڑے کا جو صبح و شام ہے گا　　یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں ہے

نظیر نے ہندوستان کی مختلف رُتوں اور موسموں سے گہرا اثر قبول کیا اور جاڑا، گرمی اور اُوس جیسے موضوعات پر مؤثر نظمیں لکھیں۔ بسنت اور ہولی کا تہوار ان کے لیے خوشی، جشن اور تفریح کا موسم ہوتا تھا۔ وہ ہندوستانی معاشرے میں پیدا ہونے والے جوش و خروش میں عام لوگوں کے ساتھ برابر شریک ہوتے تھے۔ اسی طرح سحر، چاندنی، اندھیری، گھٹا اور آندھی جیسے ہندوستانی مناظر کو بھی انہوں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان موضوعات کو نظیر نے اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ وہ ان کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی نمایاں علامت بن گئے۔ اس اعتبار سے نظیر ہندوستان کے ایک اہم ملی اور قومی شاعر ہیں جنہوں نے اپنے وطن سے گہری ذہنی اور قلبی وابستگی کا اظہار کیا۔

نظیر کو عرب کے بدوؤں کی جنگجو زندگی کے بجائے ہندوستان کے پُرامن بنجاروں کی زندگی زیادہ متاثر کرتی ہے۔ وہ ہندوستان کے

تاریخی مقامات کو بھی کسی دوسرے ملک کے مشہور مقامات سے کم نہیں سمجھتے۔ جھانسی، حصار اور چتوڑ گڑھ کا ذکر کرکے وہ ہندوستان کے ماضی اور بزرگوں کے کارناموں کو یاد دلاتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے باغات، یہاں کے پرندے اور ان کی آوازیں بھی ان کی شاعری کا اہم حصہ ہیں۔ وہ بلبل کے بجائے کوئل، پپیہے، لال، بٹے اور میناطوطی جیسے ہندوستانی پرندوں کی آوازوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

نظیر ہندوستان کی تاریخی عمارتوں سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ تاج محل کی خوبصورتی اور عظمت نے انہیں بہت متاثر کیا۔ اگرچہ لوگوں نے تاج محل کے حسن کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار کیا لیکن نظیر نے اسے اپنی نظر سے دیکھا اور اپنے مخصوص انداز میں اس کی تعریف کی۔

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے　　مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے　　روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں یہ بھی اپنے عجب خوش گوار ہے

نظیر کی شاعری میں ہندوستانی زندگی اور تہذیب کے مختلف رنگ نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے وطن سے بے حد محبت کرتے تھے اور ہندوستانی معاشرت کو گہرائی سے سمجھتے تھے۔ انہیں صرف ہندو یا مسلم معاشرت ہی کا علم نہیں تھا بلکہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف قوموں کی رسومات، تہواروں، میلوں اور معاشرتی زندگی سے بھی وہ پوری طرح واقف تھے۔ مختلف قوموں کے مذہبی اور تاریخی واقعات کو انہوں نے نہایت خوبصورت اور مؤثر انداز میں اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اردو شاعری میں اس وسیع ہندوستانی معاشرتی شعور اور تجربے کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

5.2.2 عوامی شاعری:

بیسویں صدی میں عوام کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت ملی اور جمہوریت کو فروغ حاصل ہوا۔ اس دور کے ادب میں بھی عام انسانی زندگی کے مسائل، خوشی، غم اور معاشرتی ناانصافیوں کو نمایاں کیا گیا۔ شاعروں نے کوشش کی کہ ادب صرف خاص طبقے تک محدود نہ رہے بلکہ عام لوگوں کی ترجمانی کرے۔ اسی فکر کے تحت نظیر اکبر آبادی نے شاعری کو امرا کے دربار سے نکال کر عوام کی زندگی سے جوڑ دیا اور نچلے طبقے کے حالات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔

نظیر اکبر آبادی سے پہلے بھی کئی شاعروں نے عوام کی زندگی کو اپنی شاعری میں جگہ دی، لیکن نظیر نے جس گہرائی اور گیرائی سے ہندوستانی عوام کی روزمرہ زندگی کو بیان کیا وہ اردو شاعری میں نظیر کا ہی خاصا ہے۔ دوسرے شاعروں کے کلام میں ہندوستانی تہذیب کی کچھ جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں مگر نظیر کی شاعری میں یہ تہذیب پوری طرح گھلی ملی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے اشعار میں ہندوستانی معاشرے اور عوام کی اجتماعی زندگی کا واضح نقشہ سامنے نظر آتا ہے۔ یہی خصوصیت نظیر کو دوسرے شاعروں سے ممتاز بناتی ہے۔ نظیر نے شاعری کو درباری موضوعات تک محدود رکھنے کے بجائے عام ہندوستانی عوام کے رہن سہن اور معاشرتی زندگی کو اپنا موضوع بنایا۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری میں عوامی زندگی کی ایسی بھرپور تصویر ملتی ہے جو اسے مسلسل زندہ اور مؤثر رکھتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی نے ہندوستان کے تہواروں، میلوں اور مختلف تقریبات کو اپنی نظموں میں جگہ دے کر عام لوگوں کی سرگرمیوں کو

نمایاں کیا۔ انھوں نے ایک شہر آشوب بھی لکھا جس میں اس دور کے متوسط طبقے، خاص طور پر کاریگروں اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کی بدحالی کو بیان کیا ہے۔ اس زمانے میں روزگار کے مواقع مسلسل کم ہو رہے تھے جس کے باعث بہت سے ہنر مند اور پیشہ ور لوگ بے روزگاری، غربت اور افلاس کا شکار تھے۔ نظیر نے اپنے شہر آشوب میں تقریباً چھتیس مختلف پیشوں کے لوگوں کا ذکر کیا اور ان کے کام اور حالات کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی بیان کیں۔ اس سے ان کے وسیع مشاہدے کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے ان کی گہری ہمدردی بھی ظاہر ہوتا ہے۔ نظیر نے بے روزگاری اور غربت کی جو تصویر پیش کی، وہ ان کے سماجی شعور اور عوام سے گہری وابستگی کو ظاہر کرتی ہے۔ شہر آشوب میں مفلسی کی اسی دردناک صورتِ حال کو نظیر نے نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے، جس کی ایک واضح مثال ان اشعار میں ملتی ہے۔

بے روزگاری نے یہ دیکھائی ہے مفلسی کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی ہر گھر میں اس طرح سے پھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال ناچار قرض و دام سے چھپر لیے ہیں ڈال
پھوس اور ٹھٹھر اس کے ہیں جو سر کے بکھرے بال اس بکھرے بھوس سے ہے یہ ان چھپروں کا حال
گویا کہ ان کے بھول گئے ہیں چمار بند

برسات کی زیادتی کا اثر امیر اور غریب دونوں یکساں نہیں ہوتا اور نظیر اس فرق کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ امیر لوگ اپنے محلوں میں سکون کے ساتھ بیٹھ کر برسات کا مزہ لیتے ہیں لیکن غریب کے لیے یہ برسات مصیبت بن جاتی ہے۔ وہ اپنے چھونپڑے یا مکان میں اس فکر میں ڈوبا رہتا ہے کہ کہیں برسات سے اس کا آشیانہ اس کے سر سے جدا نہ ہو جائے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا یا سائبان ستھرا یا بانس کا اُسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں، یارو برسات کی بہاریں

اس موسم میں مزہ لینے کی خاطر امرا کے پاس موجود آسائش کا ذکر تو نظیر کرتے ہی ہیں ساتھ ہی غریب اور مفلس کی طرف اشارہ کر کے بتاتے ہیں کہ ان کو پاس جو کچھ ہے وہ صرف ان کا گھر ہی ہے:

بنگلے سبھوں کے ہر جا، اونچے چھوائے زردے میوے، مٹھائی، انبہ، انگور اور سردے
پکوان تازے تازے، خاصے پلاؤ زردے برسے ہے ابر باراں کھلوا دیے ہیں پردے
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

نظیر نے برسات کے موسم میں امیر اور غریب کے درمیان لباس کو فرق کو بھی اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں:

ہیں جن کے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی

اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی ہے ان کے سر پہ سر کی یا بوریے کی کھوئی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

غرض یہ کہ نظیر کی شاعری میں امیر و غریب کے درمیان موجود معاشرتی اور معاشی فرق نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے، چاہے وہ میلوں، موسموں اور تیوہاروں کا ذکر کریں یا عشق و محبت کی بات کریں، طبقاتی تفاوت کا احساس ان کی شاعری میں موجود رہتا ہے۔ امیر اور غریب کی اس خلیج سے نظیر کو دکھ ہوتا ہے اسی لیے وہ اکثر موت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر دولت مند اپنی دولت دوسروں میں تقسیم نہیں کرتے تو آخر کار موت اسے سب سے چھین لیتی ہے۔ اپنی مختلف نظموں کے ذریعے نظیر نے طبقاتی نابرابری کو ناپسند کیا اور لوگوں کو اس مسئلے پر غور کرنے کی دعوت دی۔

نظیر کی ایسی نظموں کا مقصد لوگوں کو موت سے خوف زدہ کرنا نہیں بلکہ ظلم اور عوام دشمن رویوں کے خلاف احتجاج کرنا ہے۔ وہ دولت مند طبقے کو خبر دار کرتے ہیں کہ غریبوں کا استحصال اور ان کے حقوق پامال کرنا چھوڑ دے۔ موت کے موضوع پر نظیر کی مشہور نظم 'بنجارہ نامہ' ہے، جس کا انداز نصیحت آمیز اور ماحول غمگین ہے۔ نظیر موت کو خوف کی علامت بنانے کے بجائے اسے ایک پردے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور حکمران و امیر طبقے کو ان کی بے جا دولت اور عیش و عشرت کا احساس دلاتے ہیں۔ ان کے پاس جانور، اناج، رنگ محل، لعل و زمرد، سیم و زر، شان و شوکت، قلعے، ہتھیار اور فوجیں سب کچھ موجود ہے، مگر موت کے سامنے یہ ساری دولت اور طاقت بے معنی ہو جاتی ہے۔

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن

کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باڑی پھول چمن

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا

ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا اس جنگل میں پھر آہ نظیرؔ اک تنکا آن نہ جھانکے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

نظم 'آدمی نامہ' میں نظیر نے انسانی مساوات اور برابری کا تصور پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک رنگ، نسل، مذہب، ملت یا امیری غریبی کی بنیاد پر انسانوں میں فرق کرنا درست نہیں، کیونکہ ہر انسان صرف انسان ہونے کی حیثیت سے برابر حقوق رکھتا ہے۔ نظیر نے ان لوگوں کی بھی مخالفت کی ہے جو معاشرے کو طبقات اور مذاہب میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ نظم ان کی انسان دوستی اور عوام سے محبت کا نمایاں ثبوت ہے۔ وہ انسانی عظمت کے مقابلے میں دولت اور اونچ نیچ کو بے جا سمجھتے ہیں اور غریبوں کے دکھ درد کو اجاگر کرتے ہیں۔ 'آدمی نامہ' میں وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اشراف سے لے کر بادشاہ اور وزیر تک، سب اپنی بنیادی انسانی حیثیت میں برابر ہیں۔

یاں آدمی ہی لعل و جواہر میں بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بد تر ہے ہو گیا

کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا

بد شکل بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر　　یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کار دل پذیر
یاں آدمی مرید ہے اور آدمی ہی پیر　　اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر اکبر آبادی نے ایسے عام اور معمولی موضوعات کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا جنہیں دوسرے شعرا اہم نہیں سمجھتے تھے۔ 'تل کے لڈو'، 'کورے برتن'، 'پنکھا'، 'پنکھیا'، 'سنگترہ'، 'مفلسی'، 'آٹے دال کا بیان' اور 'پیسا' جیسی نظمیں اس کی مثال ہیں۔ ان موضوعات میں نظیر کو عام لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے ان پر نظمیں لکھ کر عوام اور عوامی زندگی سے اپنا تعلق مزید مضبوط کیا۔

'آٹے دال کا بیان'، 'مفلسی'، 'پیسا'، 'چپاتیاں' اور 'روٹی کی تعریف' جیسی نظموں میں نظیر نے عام انسان کی زندگی اور اس کی بنیادی ضرورتوں کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے قریب سے دیکھ کر محسوس کیا کہ انسان خواہ زندگی میں کچھ بھی حاصل کر لے، اس کی بنیادی ضرورت روٹی اور بھوک کا مسئلہ ہی رہتی ہے۔ اسی حقیقت کو نظیر نے اپنی شاعری میں مؤثر انداز سے پیش کیا۔

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں　　منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات یاں　　کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کہیے میاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

نظیر کی نظمیں 'مفلسی'، 'اژدہے کا بچہ' اور 'چوہوں کا اچار' ان کے زمانے کی خراب معاشرتی حالت کی عکاسی کرتی ہیں۔ اسی طرح 'ریچھ کا بچہ' اور 'گلہری کا بچہ' میں عام لوگوں کی زندگی اور بچوں کی دلچسپی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس دور میں مداری بندر اور ریچھ کے تماشے دکھا کر اپنی روزی کماتے تھے۔ 'ریچھ کا بچہ' میں نظیر نے بچوں کی نفسیات اور ان کے شوق کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ میاں قلندر، ریچھ کا بچہ، ہاتھ میں پیالا اور ڈھپلی، کندھے پر چھولنا، سونٹے کی کھنک اور تماشہ دیکھنے کے لیے جمع بچوں کا ہجوم، اس دور کی عوامی زندگی اور بچوں کی دلچسپی کی خوب صورت تصویر پیش کرتے ہیں۔

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر　　وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے ہیں یہ پیشہ ہے قلندر　　یاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے دیا یہ ریچھ کا بچہ

نظیر کی شاعری کی یہی خصوصیات انہیں عوامی شاعر اور عوامیت و جمہور کا علمبر دار بناتی ہیں۔ ان کی زیادہ تر نظموں میں عام لوگوں کی زندگی، خوشی، غم اور روزمرہ کے حالات نمایاں ہوتے ہیں، اور شاعر خود بھی عوام کا ایک حصہ محسوس ہوتا ہے۔ کہیں وہ تاج گنج کی سیر کراتے ہیں، کہیں طفلی، جوانی، بڑھاپے اور مفلسی کے مختلف رنگ دکھاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں دنیا، دارالمکافات، دھوکے کی ٹٹی، کلجگ،

تماشا اور فنا کا تصور بھی ملتا ہے۔ اسی طرح شب برات، ہولی، عید، دوالی، راکھی اور بسنت جیسے تہواروں کی رونق بھی ان کی شاعری میں نظر آتی ہے۔ نظیر زندگی کی خوبصورتی اور اس کی مختلف خوشیوں سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ گلہری اور ریچھ جیسے جانوروں سے بھی محبت کرتے ہیں اور لال و گل، نسرین و سمن، نیلوفر و سوسن، چمیلی، مولسری، کنول، موگرا، ہوتیا اور سرسوں جیسے پھولوں سے بھی اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

5.2.3 قومی یکجہتی:

انسان فطری طور پر دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ ابتدا میں خاندان اور قبیلہ اس کے باہمی تعلقات کی بنیاد بنے، پھر معاشرتی اور اقتصادی ضرورتوں کے تحت بستیاں وجود میں آئیں اور لوگوں میں اپنی بستی، علاقے اور قوم سے محبت کا جذبہ پیدا ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ قوم اور معاشرے کا تصور بھی وسیع ہوتا گیا۔

نظیر اکبر آبادی اردو کے ایسے شاعر ہیں جنہیں حقیقی معنوں میں ہندوستان کا عوامی اور جمہوری شاعر کہا جا سکتا ہے۔ انھیں اپنے وطن سے گہری محبت تھی اور انھوں نے ہندوستان کی عام زندگی کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ یہاں کے رسم و رواج، مذہبی عقائد، تقریبات، موسم، کوہ و دریا، صحرا، میلے اور تہوار سب ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ انھوں نے معاشرے اور ماحول کی سچی عکاسی کر کے انسانیت، اخوت، محبت، رواداری اور بے تعصبی کا پیغام دیا۔ صوفیوں اور درویشوں کی تعلیمات نے بھی ان کی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔

اردو شاعری میں مذہبی رواداری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مسلمان شعرا نے ہندو دیوی دیوتاؤں اور اوتاروں کی مدح کی، جب کہ ہندو شعرا نے حمد، نعت اور منقبت لکھیں۔ نظیر اکبر آبادی نے اس روایت کو مزید وسعت دے کر اردو شاعری کو گنگا جمنی تہذیب کا نمائندہ بنا دیا۔ ان کی شاعری میں مذہب سے زیادہ انسانیت، محبت اور باہمی احترام کو اہمیت حاصل ہے۔

نظیر کا تعلق اکبر آباد سے تھا جو مغلیہ دور میں ایک اہم تہذیبی اور ثقافتی مرکز رہا ہے۔ اس علاقے میں کرشن بھگتی کی تحریک نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ برج بھاشا کی شیرینی، سادگی اور عوامی انداز نے اس خطے کو شمالی ہندوستان میں نمایاں مقام عطا کیا۔ سور داس اور میرابائی کے بھجن اسی سرزمین کی اہم ادبی اور مذہبی روایت کا حصہ ہیں۔ سیکری، سکندرہ، تاج محل اور موتی مسجد بھی اسی علاقے کی تہذیبی عظمت کی علامتیں ہیں۔ اسی ماحول نے نظیر کی شخصیت اور شاعری کو تشکیل دیا اور اپنی پوری زندگی محبت، اتحاد اور بھائی چارے کا پیغام عام کیا۔

نظیر رنگ و نسل، قوم و قبیلے، مذہب و ملت، امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کے فرق کو انسانی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اصل قدر انسانیت، ہمدردی اور بے تعصبی ہے۔ انھوں نے صرف اپنے کلام سے نہیں بلکہ اپنے عمل اور کردار سے بھی اس نظریے کو پیش کیا۔

نظیر نے مختلف ہندو تہواروں اور مذہبی تقریبات پر بھی بہت سی نظمیں لکھیں۔ ان کے نزدیک بسنت، ہولی، دوالی، دسہرہ، کنھیا جی کی راس لیلا، بلدیو جی کا میلا، گرد نانک، درگا جی کے درشن، بھیروں کی تعریف اور مہادیو جی کے بیاہ جیسے مواقع ہندوستانی تہذیب کا اہم حصہ تھے۔ وہ ان تہواروں کی رونق، خوشی اور عوامی شرکت کو قریب سے محسوس کرتے تھے۔ خاص طور پر ہولی کی رنگارنگی، عبیر و گلال،

رقص و سرود اور میل جول کی فضا انھیں بہت متاثر کرتی تھی۔ ان کے نزدیک عید اور بقر عید کے مقابلے میں ہولی، دوالی اور دسہرہ میں عوامی چہل پہل زیادہ نمایاں دکھائی دیتی تھی۔ اس طرح نظیر کے یہاں محض تہواروں سے متعلق شاعری واقعات کا بیان نہیں ملتا بلکہ ہندوستانی تہذیب، عوامی زندگی، مذہبی رواداری اور انسانی بھائی چارے کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان محبت اور اتحاد کا پیغام ملتا ہے۔

نظیر آگرے کے میلوں اور تہواروں میں جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوتے۔ وہ ہر مذہب کے تہوار کو انسانیت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے لیے ہولی، دوالی، شبِ برات، سکھوں کے تہوار اور پارسیوں کا نوروز سب یکساں اہم تھے۔ نظیر نے ہولی، دوالی اور رکشا بندھن کے علاوہ مختلف ہندو دیوی دیوتاؤں کی شان میں بھی عقیدت سے نظمیں لکھیں۔ ان کی یہ شاعری ان کی بے تعصبی، رواداری اور انسانی محبت کی واضح مثال ہے اور آج بھی اتحاد و محبت کا پیغام دیتی ہے۔ بھیرو جی کی تعریف میں لکھی گئی نظم بھی اسی جذبے کی عکاس ہے۔

کیا کیا مچی ہیں تیرے دربار کی بہاریں　　بھگتی کلا پہ تیری جی جان اپنا واریں
سب اپنا اپنا کارج من مانتا سنواریں　　سیوک چرن کو چومیں، اشٹی کھڑے پکاریں
تیری سرن گہی ہے، کرتو نہال بھیروں
اے پرت پال دیوت، مدھ مست کال بھیروں

نظیر بلدیو جی کے عقیدت مند تھے اور ان کے میلے کے موقع پر لکھی گئی نظم ان کی مقبول ترین نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے 'درگا جی کے درشن' کے موضوع پر بھی جذبات سے بھرپور نظم لکھی۔ 'مہادیو کا بیاہ' میں انہوں نے ہندو شادی کی مختلف رسومات اور تقریبات کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اس نظم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر ہندو معاشرت اور اس کی رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی یہ واقفیت محض کتابوں کے مطالعے سے حاصل نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ ہندوؤں کے تہواروں اور مذہبی مواقع میں خود شریک ہوتے، اپنی آنکھوں سے رسومات دیکھتے اور ان کی خوشیوں میں شامل ہوتے تھے۔

پہلے ناؤں گنیش کا، لیجئے سیس نوائے　　جا سے کارج سدھ ہوں، سدا مہورت لائے
بول بچن آنند کے، پریم، پیت اور چاہ　　سن لو یارو، دھیان دھر، مہادیو کا بیاہ
جوگی جنگم سے سنا، وہ بھی کیا بیان　　اور کتھا میں جو سنا، اس کا بھی پرمان
سننے والے بھی رہیں ہنسی خوشی دن رین　　اور پڑھیں جو یاد کر، ان کو بھی سکھ چین
اور جس نے اس بیاہ کی، مہما کہی بنائے　　اس کے بھی ہر حال میں، شیو جی رہیں سہائے
خوشی رہے دن رات وہ، کبھی نہ ہو دلگیر　　مہما اس کی بھی رہے جس کا نام نظیرؔ

نظیر نے 'مہادیو کا بیاہ' میں اس دور کی شادی کی تقریب میں رائج تقریباً تمام رسموں اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو بھی بڑی توجہ سے بیان کیا ہے۔ ہندو مذہب اور اس کی رسومات سے ان کی گہری واقفیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مذاہب کا احترام اور ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہونا معاشرے میں محبت، اتحاد اور بھائی چارے کو فروغ دے سکتا ہے۔

نظیر نے شری کرشن جی کی زندگی کے مختلف مراحل پر بھی کئی نظمیں لکھیں اور ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ تہواروں میں انہوں نے سب سے زیادہ نظمیں 'ہولی' پر، جب کہ دیوی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ 'شری کرشن جی' پر لکھیں۔ ان نظموں میں احترام اور محبت کا جذبہ نمایاں ہے۔ ان کے ذریعے شری کرشن جی کی پیدائش، بچپن، جوانی اور شادی کے مختلف مناظر خوبصورتی سے سامنے آتے ہیں۔ یہ شاعری ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی محبت اور قربت پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے　　اس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دوبالا ہوتا ہے
سب بات بدھا کی بھولے ہیں جب بھولا بھالا ہوتا ہے　　آنند مندیلے باجت ہیں جب بھون اجالا ہوتا ہے

یوں نیک نچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر ان کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

نظیر کو گرنانک کی روحانی عظمت اور ان کی ریاضت سے گہری عقیدت تھی، لیکن اس کے ساتھ وہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو وطن کی بنیاد پر متحد اور باوقار قوم کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کے ہر مذہبی گروہ کے عقائد کا احترام کیا جائے، کیونکہ اسی سے باہمی اتحاد اور مشترک قومیت کو فروغ مل سکتا ہے۔ انہیں اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ سکھ برادری مستقبل میں ہندوستان کی ایک اہم اور بااثر قوم بنے گی اور ملکی ترقی، معیشت اور سیاست میں اپنا نمایاں کردار ادا کرے گی۔ نظیر کی نظم 'مدح نانک شاہ گرو 'تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے لکھی گئی، لیکن اس کا اندازِ بیان، سادہ لہجہ، خلوص، عقیدت اور احترام آج بھی دل پر اثر ڈالتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کی نظم 'حمد 'بھی قومی یکجہتی کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ بہت سے شاعروں نے حمد لکھی ہے، لیکن نظیر کی 'حمد 'میں خدا کی تعریف کسی ایک مذہب یا عقیدے تک محدود نہیں رہتی۔ اس نظم میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک ساتھ جوڑنے اور اتحاد و بھائی چارے کا احساس پیدا کرنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'حمد 'کو قومی یکجہتی کی ایک خوب صورت مثال کہا جا سکتا ہے۔ اس نظم کو پڑھنے سے دل میں اتحاد اور مشترکہ قومیت کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ اسے دوسری حمدیہ نظموں سے منفرد بناتا ہے۔

کوئی خالق باری رب مولا رحمن رحیم اللہ، تنگری　　کوئی الکھ روپ کرتار کہے، نرکال نرنجن ، نردھاری
کوئی رام رام کہ سمرے کوئی برے بولے شیو شیو ہری ہری　　کوئی دانو د نیت دیواٹل کوئی راچھس دیوت جن پری

کل عام تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

نظیر اکبر آبادی نے اپنی حمد میں خدا کے لیے مختلف مذاہب اور عقائد میں رائج ناموں کو استعمال کیا ہے۔ اس انداز سے ان کی شاعری ہندوستان کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو امن، سکون، محبت اور باہمی احترام کا درس دیتی ہے۔ ان کے کلام میں ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے عزت اور رواداری کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سمیت تمام مذاہب کے لوگوں کا احترام کرتے ہیں۔ یہی وسیع نظریہ ان کی شاعری میں اتحاد، بھائی چارے اور باہمی محبت کو فروغ دیتا ہے۔

مذہبی تہواروں اور میلوں کے علاوہ نظیر اکبر آبادی نے اپنے دور کی ہندوستانی معاشرت کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ آگرہ میں مولانا ابوالعلا کا عرس، کیلاش کا میلا، بسنت کا میلا، کنکوے بازی اور کبوتر بازی جیسے کئی میلے منعقد ہوتے تھے، جن میں نظیر خود بھی

شریک ہوتے اور ان کے حالات کو شاعری میں پیش کرتے تھے۔ نظیر ہر مذہب کے لوگوں کو برابر سمجھتے تھے اور ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب کے ساتھ محبت اور رواداری کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان کی یہی وسیع سوچ اور انسانی محبت انہیں عوام میں مقبول بنانے کا سبب بنی، اسی لیے آج بھی لوگ بلا امتیاز مذہب ان کے مزار پر عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

قدیم ہندوستان میں چرندوں، پرندوں اور درندوں کو لڑانا عوام کا ایک پسندیدہ تفریحی مشغلہ تھا۔ بادشاہوں اور نوابوں کے بعد عام لوگ بھی اس شوق میں دلچسپی لینے لگے اور مختلف جانور اور پرندے پال کر ان کی لڑائیاں دیکھتے۔ ان مواقع پر ہر مذہب کے لوگ ایک ساتھ جمع ہوتے، جس سے باہمی محبت، بھائی چارے اور رواداری کو فروغ ملتا تھا۔

نظیر اکبر آبادی نے بھی عوام کے ان مشاغل کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ان کی نظمیں کبوتر بازی، بلبلوں کی لڑائی، ریچھ کا بچہ، گلہری کا بچہ اور اژدھے کا بچہ جیسے موضوع سے متعلق ہیں۔ ان نظموں سے یہ سبق ملتا ہے کہ خوشی اور تفریح میں مذہب کی کوئی پابندی نہیں، ہر انسان کو ان میں برابر شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔ نظم 'اژدھے کا بچہ' سے ایک بند ملاحظہ ہو۔

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچہ اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچہ
مینا، بیا، لٹورا اور ابلقے کا بچہ تیتر، بٹیر، سارس ،شکرے ،لوے کا بچہ
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچہ
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچہ

پرندوں اور جانوروں کی لڑائی کے علاوہ کنکوے بازی اور پتنگ بازی بھی ہر طبقے کا مقبول شوق تھا۔ لوگ ان مقابلوں میں مل جل کر شریک ہوتے، جس سے باہمی میل جول اور بھائی چارہ بڑھتا تھا۔

نظیر اکبر آبادی نے ہندوستان کے مختلف موسموں کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ جاڑے کی بہاریں، موسم برسات، برسات کی بہاریں، اومس، برسات اور پھسلن اور بہار جیسی نظموں میں انہوں نے دکھایا کہ قدرت کی نعمتیں سب انسانوں کے لیے یکساں ہیں۔ گرمی، جاڑا، برسات اور بہار سے امیر و غریب اور ہندو، مسلم، سکھ و عیسائی سب یکساں لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس لیے مذہب یا نسل کی بنیاد پر انسانوں میں نفرت اور تفریق پیدا کرنا درست نہیں۔

ہندوستان کے میلے اور عرس بھی مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے اور قومی اتحاد کو مضبوط بنانے کا ذریعہ رہے ہیں۔ نظیر ایسے میلوں اور عرسوں میں شوق سے شریک ہوتے تھے۔ ان کی شاعری میں بے تعصبی، رواداری، انسان دوستی اور مساوات نمایاں ہیں۔ وہ امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ اور مختلف مذاہب کے درمیان فرق کو انسانیت کے خلاف سمجھتے تھے۔ ان کی نظم 'آدمی نامہ' اس سوچ کی بہترین مثال ہے۔ اس میں نظیر نے واضح کیا ہے کہ انسان خواہ امیر ہو یا غریب، سب برابر عزت اور توجہ کے مستحق ہیں۔ "سو ہے وہ بھی آدمی" کی تکرار اسی انسانی مساوات اور بھائی چارے کا پیغام دیتی ہے۔

دنیا میں پادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال، قطب و غوث، ولی آدمی ہوئے منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے حتّٰی کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کے کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

'آدمی نامہ' بلاشبہ نظیر کی اہم اور بہترین نظموں میں شامل ہے۔ اس نظم میں نظیر نے انسان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے انسان کی خوبیوں کے ساتھ اس کی خامیوں کو بھی نمایاں کیا ہے۔ انسان ایک طرف نیکی، بلندی اور اچھائی کا نمونہ بن سکتا ہے تو دوسری طرف برائی، پستی اور بدکرداری کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے۔ یعنی انسان ہی کائنات کی بہترین مخلوق ہے اور کبھی یہی انسان انتہائی پست اور بری صفات کا حامل بھی بن جاتا ہے۔ اس طرح 'آدمی نامہ' انسان کی مختلف حالتوں کو سامنے لا کر یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ تمام انسان اپنی بنیادی حیثیت میں برابر ہیں۔ یہی انسانی برابری قومی اتحاد اور یک جہتی کی بنیاد بنتی ہے۔

مختصر یہ کہ نظیر کی شاعری کا ایک بڑا حصہ اتحاد، باہمی محبت، انسانی ہمدردی اور بھائی چارے کا پیغام دیتا ہے۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان آپس میں محبت اور اتفاق کے ساتھ زندگی گزاریں اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہوں۔ نظیر کا بنیادی نظریہ بھی یہی تھا کہ مذہب انسانوں کو ایک دوسرے سے دشمنی کرنا نہیں سکھاتا بلکہ محبت، بھائی چارے اور باہمی احترام کا درس دیتا ہے۔ ان کی شاعری اسی سوچ اور انسانی اتحاد کی ترجمان ہے۔

5.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- میرؔ، سوداؔ اور نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں ہندوستانی رنگ کے فرق کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی گہری عکاسی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔
- ہندوستانی تہواروں، میلوں، رسوم و رواج اور عوامی زندگی کو نظیر اکبر آبادی نے اپنی شاعری کا مؤثر موضوع بنایا ہے۔ ہولی، دوالی، راکھی، عید اور شبِ برات جیسے مختلف تہواروں کی منظر کشی نظیر کی شاعری میں ہندوستانی معاشرت کی عکاسی کرتی ہے۔ مذہبی

رواداری، بے تعصبی اور وسعتِ نظری نظیر اکبر آبادی کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

- جانوروں، پرندوں، پھلوں، سبزیوں اور دیگر مقامی اشیا سے نظیر اکبر آبادی کی گہری وابستگی ان کی شاعری میں نمایاں ہوتی ہے۔ جاڑا، گرمی، بسنت، برسات اور اومس جیسے ہندوستانی موسموں اور موسمی کیفیات کی حقیقی تصویر بھی نظیر کی شاعری میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ہندوستان کے تاریخی مقامات، شہروں، باغات اور تاریخی عمارتوں سے نظیر اکبر آبادی کی گہری محبت ان کی شاعری میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔
- ہندوستانی عوامی زندگی، تہذیب، معاشرت اور مقامی روایات کی بھرپور عکاسی کی وجہ سے نظیر اکبر آبادی کو حقیقی معنوں میں ہندوستان کا شاعر کہا جاسکتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں وطن سے محبت اور ہندوستانی معاشرت سے گہری وابستگی نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔
- نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں مذہبی رواداری، بے تعصبی اور وسیع القلبی کے جذبات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ہندو، مسلم، سکھ اور دیگر مذاہب کے تہواروں اور مذہبی شخصیات کے احترام کا اظہار ان کی شاعری میں نمایاں طور پر ملتا ہے۔
- نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں قومی اتحاد، یک جہتی، اخوت اور بھائی چارے کا پیغام نمایاں طور پر موجود ہے۔ رنگ و نسل، مذہب و ملت، امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کے امتیازات کی مخالفت نظیر کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔
- پتنگ بازی، کبوتر بازی، جانوروں اور پرندوں کے مقابلوں جیسے عوامی تفریحی مشاغل کی عکاسی نظیر کی شاعری میں دیکھی جاسکتی ہے۔
- نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں عوامی زندگی، انسانی ہمدردی، مساوات اور باہمی محبت کے ذریعے ایک متحد اور پُرامن معاشرے کا تصور پیش کیا گیا ہے۔
- انسانی مساوات اور انسان دوستی کا آفاقی تصور نظیر اکبر آبادی کی نظم 'آدمی نامہ' میں مؤثر انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

5.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
عارضی	:	وقتی، تھوڑے وقت کے لیے	افلاس	:	غربت، مفلسی
جاودانی	:	ہمیشہ رہنے والا، ابدی	آشیانہ	:	گھر، رہنے کی جگہ
مشاہدات	:	دیکھی ہوئی باتیں، تجربات	آسائش	:	آرام، سہولت
مستعار	:	ادھار لیا ہوا، عاریتاً لیا گیا	طبقاتی تفاوت	:	طبقوں کے درمیان فرق
تصوراتی	:	خیال پر مبنی، خیالی	خلیج	:	بڑا فرق، دوری
طبی نقطہ	:	طب یا صحت سے متعلق پہلو	گیرائی	:	گہرائی، وسعتِ نظر
ملحوظ	:	پیشِ نظر، خیال میں رکھا ہوا	دارالمکافات	:	بدلے یا جزا کی جگہ

معاشرتی شعور	:	معاشرے کے مسائل اور حالات کی سمجھ	تعصب	:	جانبداری، کسی کے خلاف پہلے سے قائم منفی خیال
مؤثر	:	اثر ڈالنے والا، کارآمد	تشکیل	:	بنانا، صورت دینا
قلبی وابستگی	:	دلی تعلق، گہرا جذباتی رشتہ	معیشت	:	اقتصادی / آمدنی اور خرچ کا نظام
شناخت	:	پہچان	مشترکہ	:	سب کا ملا جلا، باہمی
علمبردار	:	کسی نظریے یا مقصد کو آگے بڑھانے والا	رواداری	:	دوسروں کے عقائد اور خیالات کا احترام
متوسط	:	درمیانہ، درمیانی طبقے سے متعلق	تفریق	:	فرق کرنا، الگ کرنا
باہمی	:	مشترکہ، آپسی	قومی یکجہتی	:	قوم کا اتحاد، قومی اتحاد

5.5 نمونہ امتحانی سوالات

5.5.1 معروضی سوالات:

1۔ نظیر نے کس تہوار پر سب سے زیادہ نظمیں لکھیں؟

(a) دیوالی (b) ہولی (c) عید (d) شب برات

2۔ نظیر کی کس نظم کا مرکزی خیال 'موت' ہے؟

(a) آدمی نامہ (b) مفلسی (c) روٹی نامہ (d) بنجارہ نامہ

3۔ نظیر کی نظم کا کون سا کردار دوسروں کے گھر سے دودھ اور ماکھن ملائی چرا کر کھاتا ہے؟

(a) بنجارہ (b) سری کرشن (c) نواب (d) مفلس

4۔ نظیر نے تاج محل کے موضوع پر کس عنوان سے نظم لکھی؟

(a) عید گاہ اکبر آباد (b) جھونپڑا (c) رازداری محبوب (d) تاج گنج کا روضہ

5۔ کس ترکاری کو نظیر نے 'لیلیٰ کی انگلیاں' کہا ہے؟

(a) مولی (b) ککڑی (c) گاجر (d) تربوز

6۔ اگہن کا ماہ ڈھلنے کے بعد کون سا موسم آتا ہے؟

(a) جاڑا (b) برسات (c) گرمی (d) بہار

7۔ برسات کی زیادتی سے سماج کا کون سا طبقہ سب سے زیادہ پریشان ہوتا ہے؟ غریب

(a) امیر (b) نواب (c) غریب (d) درویش

8۔ جب نظیر کو امیر اور غریب کی خلیج سے دکھ ہوتا ہے تو وہ کس کا ذکر کرتے ہیں؟

(a) زندگی (b) موت (c) جنت (d) غربت

9۔ کس نظم میں نظیر نے آدمی کی تمام صفات کو یک جا کر دیا ہے؟

(a) توکل (b) بڑھاپا (c) بادشاہ (d) آدمی نامہ

10۔ نظیر نے دیوی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ نظمیں کس پر لکھیں؟

(a) شری کرشن (b) کالی (c) بھیروں جی (d) درگا

5.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کے یہاں کرشن بھکتی سے متعلق کسی ایک نظم پر اظہار خیال کیجیے۔

2۔ نظیر کی شاعری میں میلوں ٹھیلوں کا ذکر کس طرح آیا ہے؟

3۔ اردو شاعری میں نظیر کو کس حیثیت سے جانا جاتا ہے اور کیوں؟

4۔ نظیر کے نزدیک برسات امیر اور غریب کی زندگی کو کس کس طرح سے متاثر کرتی ہے؟

5۔ ککڑی کی کون کون سی خصوصیات نظیر نے اپنی نظم میں بیان کی ہیں؟ بیان کیجیے۔

5.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر کو عوامی شاعر کیوں کہا جاتا ہے؟ تفصیل سے لکھیے۔

2۔ نظیر اکبر آبادی کے کلام میں قومی یکجہتی کو مثالوں کے ساتھ سمجھائیے۔

3۔ اردو نظم کے فروغ میں نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری کے کردار روشنی ڈالیے۔

5.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	کلیات نظیر	نظیر اکبر آبادی
2۔	زندگانی بے نظیر	سید محمد عبد الغفور شہباز
3۔	نظیر اکبر آبادی کے کلام کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر سید طلعت حسین نقوی
4۔	نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری	ڈاکٹر سید طلعت حسین نقوی
5۔	نظیر اکبر آبادی بحیثیت عوامی شاعر	ڈاکٹر طاہرہ پروین

5.5.1 کے جوابات:

b۔1	d۔2	b۔3	d۔4	b۔5
a۔6	c۔7	b۔8	d۔9	a۔10

اکائی6: نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مطالعہ
(’بنجارہ نامہ‘ اور ’مفلسی‘)

اکائی کے اجزا

6.0		تمہید
6.1		مقاصد
6.2		نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مطالعہ: ’بنجارہ نامہ‘ اور ’مفلسی‘
	6.2.1	نظم ’بنجارہ نامہ‘ کا تعارف و منتخب متن
	6.2.2	نظم ’بنجارہ نامہ‘ کے منتخب متن کی تشریح
	6.2.3	نظم ’مفلسی‘ کا تعارف و منتخب متن
	6.2.4	نظم ’مفلسی‘ کے منتخب متن کی تشریح
6.3		اکتسابی نتائج
6.4		کلیدی الفاظ
6.5		نمونۂ امتحانی سوالات
	6.5.1	معروضی سوالات
	6.5.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	6.5.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
6.6		تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

گزشتہ اکائی میں آپ نے نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری کی خصوصیات کا مطالعہ کیا۔ اردو نظم نگاری کی تاریخ میں نظیر اکبر آبادی کا ذکر بہت احترام سے کیا جاتا ہے۔ نظیر نہ صرف یہ کہ اردو نظم کے پہلے شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں بلکہ انہیں عوامی شاعر کہہ کر بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جن عوامی اور سماجی مسائل کو پریم چند نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں پیش کیا ہے ان میں سے بیشتر موضوعات پر نظیر اکبر آبادی اٹھارہویں صدی ہی میں نظمیں لکھ چکے تھے۔ ان

کی نظموں میں سماج اور معاشرے کی بھر پور نمائندگی ملتی ہے۔انہوں ایک طرف میلوں ٹھیلوں اور کھیل تماشوں کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے تو دوسری طرف ہندوستانی تہواروں کو بھی پیش کیا ہے۔اس اکائی میں ہم ان کی دو مشہور نظموں 'بنجارہ نامہ' اور 'مفلسی' کا مطالعہ کریں گے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم 'بنجارہ نامہ' کا تعارف پیش کر سکیں ۔
- 'بنجارہ نامہ' کے منتخب متن کی قرأت کر سکیں ۔
- 'بنجارہ نامہ' کے منتخب متن کی تشریح کا مطالعہ کر سکیں ۔
- نظم 'مفلسی' کا تعارف پیش کر سکیں۔
- 'مفلسی' کے منتخب متن کی قرأت کر سکیں ۔
- 'مفلسی' کے منتخب متن کی تشریح کا مطالعہ کر سکیں ۔

6.2 نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مطالعہ: بنجارہ نامہ اور مفلسی

6.2.1 نظم 'بنجارہ نامہ' کا تعارف و منتخب متن:

تعارف:

نظیر اکبر آبادی کی شہرہ آفاق نظم 'بنجارا نامہ' اردو ادب کی ان نظموں میں شمار کی جاتی ہے جو نہ صرف اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد ہے بلکہ اپنے عوامی اندازِ بیان، گہری معنویت اور اخلاقی پیغام کے باعث ہمیشہ زندہ رہنے والی تخلیق ہے۔ یہ نظم بنیادی طور پر ایک تمثیلی اور نصیحت آموز نظم ہے، جس میں شاعر نے انسانی زندگی کی حقیقت کو نہایت سادہ لیکن فکر انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔یہ نظم تیرہ (13) بندوں پر مشتمل ہے، جو مخمس کی ہیئت لکھی گئی ہے۔

نظم میں نظیر اکبر آبادی نے 'بنجارے' کے کردار کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔بنجارہ ایک ایسا خانہ بدوش تاجر ہوتا ہے جو مختلف شہروں اور بستیوں میں مال و اسباب لے کر جاتا ہے، تجارت کرتا ہے، نفع و نقصان سہتا ہے اور آخرکار سارا سامان فروخت کر کے خالی ہاتھ واپس چلا جاتا ہے۔نظیر نے اسی بنجارے کی زندگی کو انسان کی عارضی اور فانی دنیاوی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہر انسان بھی دراصل ایک بنجارا ہے، جو دنیا میں ایک خاص وقت کے لیے آتا ہے، زندگی کی سرگرمیوں میں مشغول رہتا ہے، خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے، دولت، شہرت، عزت، عہدہ اور دیگر مادی چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، بالآخر سب کچھ اسی دنیا میں چھوڑ کر خالی ہاتھ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

اس نظم میں شاعر نے زندگی کی ناپائیداری اور دنیا کی بے ثباتی کو نہایت دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔وہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ دنیا کی ہر شے عارضی ہے۔انسان کی طاقت، اختیار، دولت، سب کچھ وقت کا محتاج ہے۔جب موت آتی ہے تو نہ جاہ و حشم کام آتا ہے، نہ مال و زر، نہ دوست و احباب۔یہ نظم انسان کو غرور، تکبر اور دنیا پرستی سے باز رہنے کی تلقین کرتی ہے اور اُسے سچائی، عاجزی، قناعت اور نیکی کی راہ اختیار کرنے کا پیغام دیتی ہے۔اس نظم کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ ایک عام انسان کی سمجھ میں آنے والی زبان میں گہرے اور سنجیدہ فلسفیانہ خیالات کو پیش کرتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی کا یہ کمال ہے کہ وہ زندگی کی بڑی بڑی سچائیوں کو اتنے سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ قاری خود بہ خود سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔یہ ایک سادہ،بامعنی،علامتی اور استعاراتی زبان کا خوب صورت نمونہ ہے۔اس نظم کی زبان نہ صرف جذبات کی شدت کو سادہ انداز میں بیان کرتی ہے بلکہ اس میں ایک خاص تصوفانہ رنگ اور عوامی لب و لہجہ بھی پایا جاتا ہے۔اس نظم میں کچھ الفاظ ایسے ہیں جو دیہی زندگی اور لوک روایتوں سے جڑے ہوئے ہیں، جیسے گونوں، تھان، بگچے،دوشالے وغیرہ۔لہٰذا'بنجارہ نامہ' نہ صرف ایک ادبی شاہکار ہے، بلکہ یہ زندگی کا سبق بھی ہے، جو ہر دور کے انسان کے لیے یکساں مفید اور موثر ہے۔اب ہم نظم'بنجارہ نامہ' کے ابتدائی پانچ بند کی قرأت اور اس کی تشریح کا مطالعہ کریں گے۔

منتخب متن:

(1)

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(2)

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقیٰ سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(3)

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا

قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبہ کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(4)

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(5)

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری رہ جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

6.2.2 نظم 'بنجارہ نامہ' کے منتخب متن کی تشریح

نظیر اکبر آبادی اس نظم کے پہلے بند میں انسان کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ اے میاں! (یعنی اے بھائی، اے انسان) تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، حرص (لالچ) اور ہوس کو چھوڑ دے۔ دنیا کے مال و دولت کی خاطر تو اپنی عمر ضائع کر رہا ہے۔ دن رات ادھر اُدھر، دیس دیس، شہر شہر، ملک ملک دوڑتا پھر رہا ہے، لیکن کیا حاصل؟ یہ سب لالچ تجھے سکون دینے کی بجائے مزید بے چین کر دیتا ہے۔ یہ تمھیں مقصدِ حیات سے دور کر دیتا ہے۔

شاعر "اجل" یعنی موت کو ایک قزاق (ڈاکو) سے تشبیہ دیتا ہے ،جو ہر وقت انسان کی زندگی اور اس کے جمع کیے ہوئے مال کو لوٹنے کے لیے تیار ہے۔ 'نقارا بجا کر' کا مطلب ہے کہ یہ موت کوئی چھپ کر نہیں آتی، بلکہ کھلے عام، علانیہ، سب کے سامنے آتی ہے اور سب کچھ چھین لیتی ہے۔ ہر دن اور ہر رات یہ ڈاکو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زندگی عارضی ہے اور ایک دن ختم ہو جائے گی۔ کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا، چاہے وہ کتنا ہی دولت مند یا طاقتور ہو۔ یہاں شاعر دنیاوی مال و دولت کی فہرست پیش کرتا ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی قیمتی جانوروں (گائیں، بھینسیں، بیل، اونٹ) اور قیمتی سامان (سونا،

چاندی، زیورات، بھاری مال و اسباب) جمع کرنے میں لگا دیتا ہے۔ان چیزوں کی خواہش میں وہ رات دن محنت کرتا ہے، مگر وہ بھول جاتا ہے کہ یہ سب کچھ وقتی ہے۔جب موت آتی ہے تو یہ سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے۔

اناج (گیہوں، چاول، دالیں) اور زندگی کی بنیادی ضروریات (آگ، دھواں، انگارا) سب دنیاوی ضروریات ہیں، مگر ان کی بھی ایک حد ہے۔انسان ان چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے، ان کے لیے لڑتا ہے،دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے، لیکن موت ان سب کی قدر و قیمت ختم کر دیتی ہے۔انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب ضروریات زندگی کے لیے ہیں، زندگی ان کے لیے نہیں۔شاعر مزید کہتا ہے کہ 'سب ٹھاٹھ' یعنی دنیا کی شان و شوکت، مال و دولت، جمع کیا ہوا سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔جب انسان (جسے شاعر نے 'بنجارہ' یعنی مسافر کہا ہے) اس دنیا سے کوچ کرے گا۔'لاد چلے گا' کا مطلب ہے کہ انسان جب اپنے اعمال کا بوجھ لے کر اکیلا قبر کی طرف روانہ ہوگا، تو ساتھ کچھ بھی نہیں جائے گا۔نہ مال، نہ جائیداد، نہ سونا چاندی۔صرف اس کے اعمال اس کے ساتھ ہوں گے۔

نظم کے دوسرے بند میں شاعر انسان کو پھر سے جھنجھوڑتا ہے اور دنیاوی فخر، لذت اور کامیابیوں کے جھوٹے بھرم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔شاعر نے دنیا کو ایک بازار اور انسان کو ایک بنجارہ (مسافر یا تاجر) کے روپ میں پیش کیا ہے، جو اپنے ساتھ سامان لادے چل رہا ہے۔مگر اُسے یہ خبر نہیں کہ ایک اور بڑا بیوپاری اُس سے بھی بڑا ہے، جو اُس کا حساب لینے والا ہے۔شاعر کہتا ہے اگر تو خود کو بنجارہ سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تیرے پاس بہت سا مال ہے، تو جان لے کہ اس سب کا بوجھ بھی تجھ پر ہے۔یعنی تیرے اعمال، تیری دولت، تیری زندگی کا بوجھ بہت بھاری ہے اور اس کا حساب بھی تجھ ہی کو دینا ہے۔یہاں انسان کو "غافل" کہا گیا ہے، یعنی جو حقیقت سے بے خبر ہے۔شاعر خبردار کرتا ہے کہ تجھ سے بھی ایک بڑا بیوپاری ہے،یعنی خدا یا موت جو تجھ پر غالب ہے، جو تجھے حساب دینے پر مجبور کرے گا۔چاہے تو دنیا میں کتنا ہی مال و دولت سمیٹے، اُس کے سامنے تو بے بس ہوگا۔یہ سب دنیاوی لذتیں اور نعمتیں چینی، مصری، قند (شکر کی قسمیں)، گری (مٹھائیاں)، سانبھر (مسالہ)، میٹھا یا نمکین کھانا،یہ سب فانی چیزیں ہیں۔شاعر ان کا ذکر اس لیے کرتا ہے کہ انسان کی رغبت انہی چیزوں کی طرف سب سے زیادہ ہوتی ہے۔یہ بھی دنیا کی قیمتی اشیا اور ذائقے دار مسالے ہیں۔داکھ (انگور)، منقیٰ (خشک انگور)،سونٹھ (خشک ادرک)، مرچ، کیسر (زعفران)، لونگ، سپاری،جو انسان کے ذائقے کو لبھاتے ہیں، لیکن ان سب کی حقیقت وقتی ہے۔یہ سب کچھ اسی دنیا میں رہ جاتا ہے۔

تیسرے بند میں انسان کے دنیاوی مال و دولت اکٹھا کرنے کی کوشش کو بیان کیا گیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ تو چاہے اپنی بیل گاڑیوں پر قیمتی سامان (بدھیا) بھر کر مشرق و مغرب یعنی دنیا کے کونے کونے تک کاروبار یا تجارت کرے، تو دنیا کی خواہشات میں مصروف ہے، دولت اور مال کمانے میں لگا ہوا ہے۔دنیاوی لین دین کے یہ دو ہی انجام ہوتے ہیں: یا منافع (سود) یا نقصان (گھاٹا)۔یہ دنیا کی فطرت ہے۔کبھی خوشی، کبھی غم، کبھی کامیابی، کبھی ناکامی،لیکن ایک لمحہ ایسا بھی آئے گا جب 'قزاق اجل' (یعنی موت کا ڈاکو) انسان کو راستے میں آ کر گھیر لے گا اور اچانک موت آ جائے گی۔یہ منظر انسانی بے

بسی کو ظاہر کرتا ہے کہ جتنی بھی طاقت یا ہوشیاری ہو، موت سے فرار ممکن نہیں۔اس وقت دنیا کی کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔نہ دولت، نہ ناتی (نواسے)، نہ پوتے، نہ گھر کا خاندان۔جو لوگ انسان کے لیے قیمتی تھے، وہ بھی کچھ نہیں کر پائیں گے۔ موت سب کو تنہا آتی ہے۔اس بند کا آخری مصرعہ مرکزی پیغام ہے جب انسان دنیا چھوڑ کر روانہ ہوگا، تو اس کی ساری شان و شوکت، مال و متاع، جائیداد، سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔کچھ بھی ساتھ نہیں جائے گا،بس اعمال ہی ساتھ جائیں گے۔

چوتھے بند میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں جو کچھ تیرے ساتھ ہے۔خیمے، ڈیرے، سارا انتظام جو تو لے کر چلتا ہے۔یہ سب تیرے سفر کا حصہ ہے۔یہ ساری دنیاوی زندگی ایک پڑاؤ کی طرح ہے، جہاں انسان نے اپنا عارضی ڈیرا ڈالا ہوا ہے۔زر (سونا)، دام (پیسہ)، درم (چاندی)، بندوق، سپر (ڈھال)، کھانڈا (تلوار)۔یہ سب چیزیں انسان کے اختیار میں ہیں۔ یہ علامتیں ہیں دنیاوی طاقت، تحفظ اور جاہ و جلال کی۔مگر یہ سب عارضی ہیں۔نایک یعنی جسم کا مالک (روح) جب ایک دن اس جسم سے نکل جائے گا، جو پہلے شہروں اور ملکوں میں گھوما کرتا تھا، عزتیں کماتا تھا، طاقت دکھاتا تھا۔تو وہ جسم خالی ہو جائے گا اور اس کی ساری حرکتیں، حیثیتیں ختم ہو جائیں گی۔پھر نہ وہ سفر باقی رہے گا، نہ وہ مال و دولت، نہ کھانے کا مزہ (حلوا)، نہ خوشحالی (مانڈا)۔سب کچھ بے معنی ہو جائے گا۔یہ دکھانے کے لیے ہے کہ جب جان نکل گئی تو دنیا کی لذتیں اور راحتیں ختم ہو گئیں۔آخری مصرع پھر وہی مرکزی پیغام دُہراتا ہے کہ انسان جس دن دنیا سے رخصت ہوگا۔اس دن اس کے تمام ٹھاٹھ، جاہ و جلال، دولت، رشتے، سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔

پانچویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ یہاں 'گون' (بیل گاڑی) انسان کی زندگی کی گاڑی کو ظاہر کرتی ہے۔شاعر کہہ رہا ہے کہ جب یہ گاڑی (زندگی) راستے میں رک جائے گی، یعنی جب موت آ جائے گی، تب تمہیں اپنے سفر کو یہیں ختم کرنا ہوگا۔جب انسان مر جاتا ہے تو کچھ عرصے بعد اسے بھی کوئی یاد نہیں رکھتا، یہاں تک کہ جانور بھی اس کی قبر پر چرنے نہیں آتے۔یہ دنیا کی بیوفائی اور بھول جانے والی فطرت کی طرف اشارہ ہے۔'کھیپ' سے مراد انسان کا جمع کیا ہوا مال و دولت ہے۔ مرنے کے بعد یہ سب چیزیں ورثا میں تقسیم ہو جائیں گی، کوئی چیز ساتھ نہیں جائے گی۔جن عزیزوں کی خاطر ساری زندگی کمائی کی، وہ بھی جنازے کے بعد اپنے کام میں لگ جائیں گے۔کوئی بھی تمہارے ساتھ نہ جائے گا۔

6.2.3 نظم 'مفلسی' کا تعارف و منتخب متن:

تعارف:

'مفلسی' نظیر اکبر آبادی کی مشہور زمانہ نظم ہے۔یہ نظم نظیر کے مزاج کے عین مطابق ہے۔اس نظم کو انہوں نے پانچ مصرعوں کے بند یعنی مخمس کی ہیئت میں تحریر کیا ہے۔یہ ایک طویل نظم ہے، جس میں سماجیاتی مطالعہ کے ساتھ نظیر نے ان حقائق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جن کی وجہ مفلسی اور بدحالی کے پھیلنے کا امکان رہتا ہے۔19 بند پر مشتمل نظم 'مفلسی' بنیادی طور پر وضاحتی انداز کی نظم ہے۔اس نظم میں نظیر نے اپنے مشاہدے کی گہرائی اور تشبیہ اور تلمیح کے استعمال اور محاورے کی گرمی سے ایسا ماحول تیار کر دیا ہے کہ یہ نظم

مفلسی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔

اس نظم میں نظیر اکبر آبادی نے غربت و افلاس کی ہولناک تصویریں نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کی ہیں۔اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مفلسی انسان کی زندگی کا سب سے بڑا عذاب ہے، جو نہ صرف انسان کی جسمانی ضروریات کو متاثر کرتی ہے بلکہ اس کی عزت، شرافت، محبت، علم، ہنر، معاشرتی وقار اور انسانی رشتوں کو بھی تباہ کردیتی ہے۔نظیر اکبر آبادی نے اس نظم میں بتایا ہے کہ جب انسان پر غربت آتی ہے تو وہ بھوک اور پیاس میں مبتلا ہوجاتا ہے۔لوگ اس کی عزت کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے علم و فضل کی کوئی قدر باقی نہیں رہتی۔مفلسی انسان کو اس حد تک مجبور کردیتی ہے کہ وہ شرم و حیا، غیرت اور خودداری تک کھو بیٹھتا ہے۔شاعر نے یہ بھی دکھایا ہے کہ غربت کے باعث گھریلو سکون ختم ہوجاتا ہے، شادی بیاہ کی خوشیاں ماند پڑ جاتی ہیں اور معاشرہ غریب انسان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔

اس نظم میں شاعر نے زندگی کے مختلف طبقوں جیسے عالم، عاشق، فنکار، مزدور، عورت، طوائف، اور غریب باپ،سب کی حالت بیان کرکے یہ واضح کیا ہے کہ مفلسی کسی ایک فرد کو نہیں بلکہ پوری انسانی شخصیت کو متاثر کرتی ہے۔غربت انسان کو ذہنی اذیت، معاشرتی ذلت اور اخلاقی پستی تک پہنچا دیتی ہے۔اس نظم کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ شاعر نے معاشرے کی بے حسی اور طبقاتی ناانصافی پر طنز کیا ہے۔امیروں کو زیادہ عزت اور سہولتیں ملتی ہیں جبکہ غریب ہر جگہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔شاعر کے نزدیک مفلسی ایسی لعنت ہے جو انسان سے اس کی شناخت تک چھین لیتی ہے۔یہ نظم انسانی ہمدردی، سماجی انصاف اور غریبوں کے مسائل کی طرف توجہ دلانے کی ایک مؤثر کوشش ہے۔ اب ہم نظم "مفلسی" کے ابتدائی دس بند کی قرأت اور اس کی تشریح کا مطالعہ کریں گے۔

منتخب متن:

(1)

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

(2)

کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں
تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خاں
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہے یاں
عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈوباتی ہے مفلسی

(3)

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

(4)

مفلس کرے جو آن کے محفل کے بیچ حال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اسے سنبھال
مفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مفلسی

(5)

جب روٹیوں کے بٹنے کا آ کر پڑے شمار
مفلس کو دیویں ایک تونگر کو چار چار
گر اور مانگے وہ تو اسے جھڑکیں بار بار
مفلس کا حال آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہے مفلسی

(6)

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر
جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

(7)

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ

مفلس کرے ہے اس کے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ
کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اڑاتی ہے مفلسی

(8)

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی
پھر گھر میں جتنے ست تھے اسی گھر کے در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گزر گئی
ہم سایہ پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردے گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

(9)

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور غل مچائے
مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اسے اٹھائے
اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بے کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

(10)

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں
جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونے میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں
پیدا نہ ہووے جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں ان کے مردے بہاتی ہے مفلسی

6.2.4 نظم 'مفلسی' کے منتخب متن کی تشریح:

اس نظم کے پہلے بند میں شاعر نے مفلسی یعنی غربت کی عمومی حالت اور اس کے بنیادی اثرات کو نہایت دردناک انداز میں بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب انسان پر غربت آتی ہے تو وہ اسے ہر طرح سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ مفلسی

صرف مال و دولت کی کمی کا نام نہیں بلکہ یہ انسان کی جسمانی، ذہنی اور روحانی اذیت کا سبب بھی بنتی ہے۔شاعر بتاتا ہے کہ غریب آدمی دن بھر پیاسا رہتا ہے کیونکہ اس کے پاس کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوتا۔رات کو بھی وہ بھوکا سو جاتا ہے۔ غربت انسان سے سکون، عزت اور آرام سب کچھ چھین لیتی ہے۔شاعر آخر میں کہتا ہے کہ مفلسی کا اصل دکھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے خود غربت دیکھی ہو۔ دوسرا آدمی صرف اندازہ لگا سکتا ہے، اس تکلیف کی شدت کو محسوس نہیں کرسکتا۔اس بند میں شاعر نے نہایت سادہ مگر مؤثر الفاظ کے ذریعے انسانی زندگی پر غربت کے اثرات کو نمایاں کیا ہے۔

نظم کے دوسرے بند میں شاعر نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ دنیا میں عزت اکثر دولت کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔جب تک انسان کے پاس دولت ہوتی ہے لوگ اس کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔بڑے بڑے امیر اور رئیس بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔لیکن اگر وہی شخص غریب ہوجائے تو اس کی ساری قابلیت اور علم بے وقعت ہوجاتا ہے۔شاعر نے حضرت لقمان اور حضرت عیسیٰؑ جیسے عظیم اور دانا ہستیوں کا حوالہ دے کر بات کو مؤثر بنایا ہے۔وہ کہتا ہے کہ اگر اتنی عظیم شخصیات بھی مفلس ہوجائیں تو دنیا ان کی قدر نہیں کرے گی۔اس سے شاعر معاشرے کی مادہ پرستی اور ظاہرداری پر طنز کرتا ہے۔

آخری مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ مفلسی حکیم کی حکمت کو بھی ڈبو دیتی ہے، یعنی غربت انسان کے علم، عقل اور قابلیت کی اہمیت کو ختم کردیتی ہے۔یہ بند معاشرتی ناانصافی اور دولت پرستی کی بھرپور تصویر پیش کرتا ہے۔

نظم کے تیسرے بند میں شاعر نے غربت کے ذہنی اور تعلیمی اثرات کو بیان کیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ جو لوگ بڑے عالم، فاضل اور علم والے سمجھے جاتے ہیں، جب وہ مفلسی کا شکار ہوجاتے ہیں تو پریشانی اور فاقہ کشی کے باعث ان کی ذہنی حالت متاثر ہوجاتی ہے۔وہ اتنے پریشان ہوجاتے ہیں کہ معمولی باتیں بھی بھولنے لگتے ہیں۔"پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بے بتاتے ہیں" میں شاعر نے مبالغہ آمیز انداز اختیار کیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ غربت انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو اس قدر متاثر کرتی ہے کہ وہ معمولی علمی باتوں میں بھی غلطی کرنے لگتا ہے۔

بعد میں شاعر ان اساتذہ کا ذکر کرتا ہے جو غریب بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی زندگی بھر غربت ختم نہیں ہوتی۔اس شعر میں شاعر نے اس دور کے اساتذہ اور اہلِ علم کی معاشی بدحالی کی طرف اشارہ کیا ہے۔گویا معاشرہ علم کی قدر تو کرتا ہے مگر اہلِ علم کو معاشی تحفظ فراہم نہیں کرتا۔

چوتھے بند میں شاعر نے مفلس انسان کی معاشرتی بے قدری اور ذلت کو بیان کیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ اگر کوئی غریب شخص کسی محفل میں اپنی پریشانی بیان کرے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف کھانے یا مدد حاصل کرنے کے لیے یہ سب کہہ رہا ہے۔یعنی اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا۔اگر وہ کمزوری یا بھوک سے گر پڑے تب بھی کوئی اسے سہارا دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔اس سے معاشرے کی بے حسی ظاہر ہوتی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ اگر کسی مفلس انسان میں لاکھ علم، ہنر اور کمال موجود ہوں تب بھی غربت اس کی تمام خوبیوں کو مٹی میں ملا دیتی ہے۔یہ بند انسانی معاشرے کے ظالمانہ رویے اور دولت کی بنیاد پر انسان کی قدر و قیمت متعین کرنے کی شدید مذمت کرتا ہے۔

نظم کے پانچویں بند میں شاعر نے معاشرے میں موجود معاشی ناانصافی کو بیان کیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ جب کھانا تقسیم کیا جاتا ہے تو امیر آدمی کو زیادہ دیا جاتا ہے جبکہ غریب کو بہت کم حصہ ملتا ہے۔یہاں شاعر نے انسانی معاشرے کے طبقاتی نظام پر طنز کیا ہے جہاں ضرورت مند کو کم اور خوش حال کو زیادہ ملتا ہے۔اگر مفلس شخص مزید مانگے تو لوگ اسے ڈانٹ دیتے ہیں اور اس کی تذلیل کرتے ہیں۔شاعر اس صورتِ حال پر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں غریب کی حالت کیسے بیان کروں، کیونکہ غربت تو ایسی جگہ پر بھی اسے ذلیل کرتی ہے جہاں انسان کو ہمدردی ملنی چاہیے۔

آخری مصرعہ 'مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہے مفلسی' نہایت مؤثر ہے۔اس میں شاعر نے مفلسی کو ایک ایسے عذاب کے طور پر پیش کیا ہے جو ہر لمحہ انسان کو اندر ہی اندر کھاتا رہتا ہے۔یہ بند غربت کے ساتھ جڑی ہوئی محرومی، ذلت اور ناانصافی کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔

چھٹے بند میں شاعر نے غربت کی وہ حالت بیان کی ہے جب انسان کی زندگی کا پورا محور صرف روٹی بن جاتی ہے۔ مفلس انسان کے لیے عزت، سکون اور اخلاقی اقدار سب سے کم تر ہو جاتی ہیں کیونکہ اسے ہر وقت بھوک کی فکر لاحق رہتی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ غریب آدمی روٹی کے ایک ایک نوالے کے لیے اپنی جان تک لگا دیتا ہے۔وہ ہر وقت کھانے کی تلاش میں رہتا ہے اور جب کھانا سامنے آتا ہے تو اس پر اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے جیسے بھوکے کتے ہڈی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔اس تشبیہ کے ذریعے شاعر نے غربت کی شدت اور انسانی مجبوری کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفلسی انسان کی شرافت اور برداشت کو بھی ختم کر دیتی ہے۔

ساتویں بند میں شاعر مفلسی کے اخلاقی اثرات کو بیان کرتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ جب انسان غربت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو وہ بعض اوقات ایسے کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اس کی عزتِ نفس اور شرم و حیا کے خلاف ہوتے ہیں۔غربت انسان کو اس مقام تک لے آتی ہے جہاں وہ حلال اور حرام کی تمیز بھی کم کر دیتا ہے۔یعنی زندگی کی سختیوں کے باعث اس کے اخلاقی اصول کمزور پڑ جاتے ہیں۔شاعر یہ واضح کرتا ہے کہ مفلسی صرف جسمانی تکلیف نہیں بلکہ اخلاقی زوال کا سبب بھی بنتی ہے، جس سے انسان کی شخصیت متاثر ہوتی ہے۔

آٹھویں بند میں شاعر نے مفلسی کے گھریلو اور سماجی اثرات کو نہایت دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔وہ کہتا ہے کہ اگر غربت ایک گھر میں داخل ہو جائے تو وہ صرف ایک فرد کو نہیں بلکہ پورے خاندان کو متاثر کرتی ہے۔گھر میں رونے اور چیخ و پکار کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے، بچے اور عورتیں پریشان ہو جاتے ہیں اور ہمسائے بھی حیران رہ جاتے ہیں۔شاعر اس کیفیت کو "بن مردے گھر" سے تشبیہ دیتا ہے، یعنی ایسا گھر جہاں زندہ افراد موجود ہونے کے باوجود ماحول مردہ اور ویران محسوس ہوتا ہے۔اس سے غربت کی تباہ کاری اور گھریلو سکون کے خاتمے کو ظاہر کیا گیا ہے۔

نویں بند میں شاعر مفلسی کے نفسیاتی اور سماجی اثرات کو بیان کرتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ عام انسان غم کے وقت روتا ہے، لیکن مفلس انسان کی پوری زندگی ہی غم بن جاتی ہے، اس لیے وہ ہر وقت آہیں بھرتا رہتا ہے۔مزید یہ کہ اگر کسی

غریب کے گھر میں کوئی مر جائے تو اس کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں ہوتے کہ وہ اس کو عزت سے دفنا سکے۔ یہ بات غربت کی انتہائی شدت اور بے بسی کو ظاہر کرتی ہے۔ شاعر یہ دکھاتا ہے کہ مفلسی انسان کو اس درجے تک لے آتی ہے جہاں وہ اپنے پیاروں کو بھی مناسب طریقے سے رخصت نہیں کر سکتا۔

دسویں بند میں شاعر نے غریب گھرانوں کی مکمل بدحالی کا نقشہ کھینچا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مفلس کے گھر میں صفائی، سہولتیں اور بنیادی ضروریات بھی موجود نہیں ہوتیں۔ گھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے، دیواریں اور کونے گندے ہوتے ہیں اور جالے اور مکڑیاں عام نظر آتی ہیں۔ لکڑیاں نہ ہونے کی وجہ سے کھانا پکانا بھی مشکل ہو جاتا ہے، جس سے غربت کی شدت مزید واضح ہوتی ہے۔ شاعر آخر میں ایک انتہائی دردناک حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ غربت بعض اوقات انسان کو اس حد تک مجبور کر دیتی ہے کہ وہ مردوں کو بھی عزت سے دفنانے کے قابل نہیں رہتا۔ اس سے مفلسی کی انتہائی سنگینی اور انسانیت سوز پہلو سامنے آتا ہے۔

6.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظیر اکبر آبادی اردو نظم کے ابتدائی اور عوامی شاعر ہیں جنہوں نے سماجی زندگی، روزمرہ مسائل اور انسانی تجربات کو سادہ انداز میں پیش کیا۔
- نظم 'بنجارہ نامہ' ایک تمثیلی اور نصیحت آمیز نظم ہے۔
- بنجارے کو انسان کی عارضی زندگی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
- نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی ناپائیدار اور فانی ہے۔
- انسان کو حرص، لالچ اور دنیا پرستی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔
- نظم کا پیغام نیکی، قناعت اور حقیقت پسندی ہے۔
- نظم 'مفلسی' میں غربت اور افلاس کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔
- مفلسی انسان کی عزت، علم، ہنر اور شخصیت کو متاثر کرتی ہے۔
- غریب انسان کو معاشرے میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
- معاشرے میں طبقاتی فرق اور ناانصافی دکھائی گئی ہے۔
- نظم میں سماجی ہمدردی اور انصاف کا پیغام دیا گیا ہے۔
- دونوں نظموں میں سادہ، عوامی اور علامتی انداز استعمال ہوا ہے۔ زبان آسان مگر اثر انگیز ہے۔ اخلاقی اور اصلاحی پیغام نمایاں ہے۔

- نظم 'بنجارہ نامہ' زندگی کی بے ثباتی کو ظاہر کرتی ہے۔
- نظم 'مفلسی' غربت کے تلخ سماجی حقائق کو بیان کرتی ہے۔
- دونوں نظمیں انسان کو قناعت، غور و فکر اور انسانی ہمدردی کا درس دیتی ہیں۔

6.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
شہرہ آفاق	:	بہت زیادہ مشہور، دنیا بھر میں معروف
تمثیلی	:	مثال یا علامت کے ذریعے بات سمجھانا
نصیحت آمیز	:	سبق دینے والی، نصیحت پر مبنی
گہری معنویت	:	گہرے اور معنی خیز مفہوم والا انداز
عوامی اندازِ بیان	:	سادہ اور عام لوگوں کی سمجھ میں آنے والا اسلوب
فلسفیانہ	:	زندگی کے گہرے اور بنیادی مسائل سے متعلق
بے ثباتی	:	ناپائیداری، جو قائم نہ رہے
استعارہ	:	کسی چیز کو علامتی طور پر استعمال کرنا
خانہ بدوش	:	ایسا شخص جو مستقل گھر نہ رکھتا ہو، سفر میں رہنے والا
قناعت	:	کم پر راضی رہنا
عاجزی	:	انکساری، خاکساری
لوک روایت	:	عوام میں مشہور پرانی کہانیاں اور رسمیں
تصوفانہ رنگ	:	روحانیت اور صوفیانہ سوچ والا انداز
استعاراتی زبان	:	علامتی اور اشارتی زبان
تعظیم	:	عزت، احترام
حضرت لقمان	:	حکمت و دانائی کی علامت ایک مشہور شخصیت
عیسیٰ	:	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ، عظیم پیغمبر
اہلِ فضل	:	علم و دانش رکھنے والے لوگ
عالم و فاضل	:	علم رکھنے والے، پڑھے لکھے لوگ
تونگر	:	امیر آدمی

جھڑکیں : ڈانٹنا، سخت بات کہنا

نظر آن پر نہ رہنا : اپنی عزت و وقار کا خیال نہ رہنا

نان : روٹی، کھانا

خوان : دسترخوان، کھانے کا برتن/پلیٹ

استخوان : ہڈی

انصرام : انتظام، بندوبست کرنا

ننگ و نام : عزت اور شرم

خواریاں : ذلتیں، رسوائیاں

چھپر : کچا یا پرانا چھت والا گھر

پھکڑیاں : معمولی اور حقیر باتیں

6.5 نمونۂ امتحانی سوالات

6.5.1 معروضی سوالات:

1۔ نظم 'بنجارہ نامہ' کس نے لکھی ہے؟

(a) نظیر اکبر آبادی (b) علامہ اقبال (c) مولانا حالی (d) اکبر الہ آبادی

2۔ نظیر اکبر آبادی نے 'بنجارہ نامہ' میں کس کردار کو استعارہ بنایا ہے؟

(a) سپاہی (b) بنجارہ (c) کسان (d) بادشاہ

3۔ نظم 'بنجارہ نامہ' کس ہیئت میں لکھی گئی ہے؟

(a) مسدس (b) مربع (c) مخمس (d) مثمن

4۔ نظم 'بنجارہ نامہ' انسان کو کس بات سے بچنے کی تلقین کرتی ہے؟

(a) محنت سے (b) علم سے (c) غرور اور تکبر سے (d) دوستی سے

5۔ 'بنجارہ نامہ' کی زبان کیسی ہے؟

(a) سادہ اور عوامی (b) فارسی زدہ (c) مشکل (d) صرف ادبی

6۔ نظم 'مفلسی' کا خالق کون ہے؟

(a) نظیر اکبر آبادی (b) علامہ اقبال (c) مولانا حالی (d) اکبر الہ آبادی

7۔ نظم 'مفلسی' کتنے مصرعوں پر مشتمل ہے؟

(a)چار (b)چھ (c)پانچ (d)آٹھ

8۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم 'مفلسی' کا بنیادی موضوع کیا ہے؟

(a) محبت (b) جنگ (c) غربت و افلاس (d) فطرت

9۔ نظم 'مفلسی' میں مفلس انسان کو کس حالت میں دکھایا گیا ہے؟

(a) خوشحال (b) طاقتور (c) بادشاہ (d)بے بس اور مجبور

10۔ نظم 'مفلسی' میں معاشرے کی کون سی برائی نمایاں کی گئی ہے؟

(a) انصاف (b) ہمدردی (c) طبقاتی ناانصافی (d) محبت

6.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم 'بنجارہ نامہ' کے مرکزی خیال کی وضاحت کیجیے۔

2۔ نظم 'بنجارہ نامہ' کا تعارف پیش لکھیے۔

3۔ 'بنجارہ نامہ' کا خلاصہ لکھیے۔

4۔ نظم 'مفلسی' کا تعارف پیش کیجیے۔

5۔ 'مفلسی' کا خلاصہ لکھیے۔

6.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم 'بنجارہ نامہ' کی تشریح پیش کیجیے۔

2۔ 'مفلسی' میں معاشرے کے طبقاتی نظام اور ناانصافی کو کس طرح نمایاں کیا گیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

3۔ نظم 'مفلسی' میں غربت کے سماجی، معاشی اور اخلاقی اثرات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

6.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ دیوان نظیر — مرتبہ: مرزا فرحت اللہ بیگ

2۔ نظیر اکبر آبادی کے کلام کا تنقیدی مطالعہ — طلعت حسین نقوی

3۔ نظیر شناسی — محمد علی اثر / اکبر علی بیگ

4۔ روح نظیر — محمد محمود علی رضوی

5۔ نظیر نامہ — شمس الحق عثمانی

6.5.1 کے جوابات: a۔1 b۔2 c۔3 c۔4 a۔5

c۔6 a۔7 c۔8 d۔9 c۔10

اکائی 7: نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مطالعہ

(’آدمی نامہ‘ اور ’ شب برات‘)

اکائی کے اجزا

7.0		تمہید
7.1		مقاصد
7.2		نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مطالعہ: ’آدمی نامہ‘ اور ’ شب برات‘
	7.2.1	نظم ’آدمی نامہ‘ کا تعارف و منتخب متن
	7.2.2	نظم ’آدمی نامہ‘ کے منتخب متن کی تشریح
	7.2.3	نظم ’شب برات‘ کا تعارف و منتخب متن
	7.2.4	نظم ’شب برات‘ کے منتخب متن کی تشریح
7.3		اکتسابی نتائج
7.4		کلیدی الفاظ
7.5		نمونۂ امتحانی سوالات
	7.5.1	معروضی سوالات
	7.5.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	7.5.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
7.6		تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

گزشتہ اکائی میں آپ نے نظیر اکبر آبادی کی دو نظموں ’بنجارہ نامہ‘ اور ’مفلسی‘ کا مطالعہ کیا۔ ان نظموں کے ذریعے آپ نے شاعر کے عوامی انداز، حقیقت نگاری اور معاشرتی مسائل کی عکاسی کو سمجھا۔ اس اکائی میں ہم ان کی دو مشہور اور اہم نظموں ’آدمی نامہ‘ اور ’شب برات‘ کا مطالعہ کریں گے۔ ان نظموں میں نظیر اکبر آبادی نے ایک طرف انسان کی حقیقت، اس کی برابری اور اس کے مختلف کرداروں کو پیش کیا ہے، جبکہ دوسری طرف شبِ برات جیسے تہوار کے سماجی، تہذیبی اور مذہبی

مناظر کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم 'آدمی نامہ ' کا تعارف پیش کر سکیں ۔
- 'آدمی نامہ ' کے منتخب متن کی قرأت کر سکیں ۔
- 'آدمی نامہ ' کے منتخب متن کی تشریح کا مطالعہ کر سکیں ۔
- نظم 'شب برات' کا تعارف پیش کر سکیں ۔
- 'شب برات ' کے منتخب متن کی قرأت کر سکیں ۔
- 'شب برات' کے منتخب متن کی تشریح کا مطالعہ کر سکیں ۔

7.2 نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مطالعہ: آدمی نامہ اور شب برات

7.2.1 نظم 'آدمی نامہ' کا تعارف و متن:

تعارف:

نظیر اکبر آبادی کی نظم 'آدمی نامہ' سولہ(16) بندوں پر مشتمل، مخمس کی شکل(ہیئت) میں لکھی گئی ہے۔'آدمی نامہ' اُردو ادب کی ایک نہایت اہم، اثر انگیز اور حقیقت پسند نظم ہے جس کے خالق نظیر اکبر آبادی ہیں۔ یہ نظم انسانی معاشرے کا آئینہ ہے، جس میں مختلف طبقوں، رویوں، اعمال اور کرداروں کو بڑی فنکاری سے پیش کیا گیا ہے۔ نظم میں شاعر نے عام انسان کو مخاطب کر کے اس کی اصل حقیقت، فطرت، کمزوریوں اور خوبیوں کو بے نقاب کیا ہے۔نظیر اکبر آبادی نے اس نظم میں یہ واضح پیغام دیا ہے کہ انسان کی اصل پہچان اس کے اعمال، کردار اور اخلاق سے ہوتی ہے، نہ کہ اس کی ظاہری حیثیت، دولت یا علم سے۔شاعر کے نزدیک 'آدمی' وہی ہے جو انسانیت کا علمبردار ہو، دوسروں کے دکھ درد کو سمجھے، اور سچے دل سے خدمتِ خلق کرے۔ نظم 'آدمی نامہ' میں نظیر اکبر آبادی نے آدمی کی مختلف قسمیں اور صفات کا بیان بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

'آدمی نامہ' نظیر اکبر آبادی کی ایک شاہکار اصلاحی نظم ہے، جس میں شاعر نے انسان کے مختلف روپ، کردار اور سماجی حیثیتوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس نظم میں وہ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حقیقی آدمی کون ہے؟شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں ہر طرف انسان نظر آتے ہیں۔کوئی بادشاہ ہے، کوئی فقیر، کوئی تاجر، کوئی ملازم، کوئی سپاہی، کوئی زاہد، کوئی گناہگار ، لیکن ان سب میں سے اصل آدمی وہی ہے جو دوسروں کے کام آئے، دکھ درد بانٹے، سچ بولے، انصاف کرے اور انسانیت کا علمبردار ہو۔شاعر طنزیہ انداز میں یہ بتاتا ہے کہ صرف نام کا آدمی ہونا کافی نہیں، اگر کردار، گفتار اور عمل میں انسانیت نہ ہو تو وہ آدمی کہلانے کا حق دار نہیں۔انسان کا ظاہری لباس، مال، علم یا عہدہ اسے حقیقی آدمی

نہیں بناتا، بلکہ اس کی نیت، عمل، اخلاق اور دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک ہی اصل پہچان ہے۔ نظم کا انداز نہایت عام فہم، سادہ اور دل کو چھو لینے والا ہے۔ شاعر نے روزمرہ کے کرداروں کی مثال دے کر نظم کو دلچسپ اور سبق آموز بنایا ہے۔ اب ہم نظم 'آدمی نامہ' کے ابتدائی دس بند کی قرأت اور اس کی تشریح کا مطالعہ کریں گے۔

منتخب متن:

(1)

دنیا میں پادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(2)

ابدال، قطب و غوث، ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے
حتّٰی کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(3)

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(4)

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(5)

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(6)

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(7)

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی تو مشعل جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(8)

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس میں جو پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(9)

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
کس کس طرح کی بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ آدمی

(10)

طبلے مجیرے دائرے سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا
اور آدمی ہی ناچے ہیں اور دیکھ پھر مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

7.2.2 'آدمی نامہ' کے منتخب متن کی تشریح:

نظیر اکبر آبادی اس نظم کے پہلے بند میں انسانی مساوات کا ایک بہت ہی خوبصورت تصور پیش کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی انسان بستے ہیں، وہ سب ایک جیسے ہیں، چاہے ان کا مرتبہ کچھ بھی ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ جو بادشاہ ہے، جس کے پاس اقتدار، دولت، جاہ و جلال اور ہزاروں غلام ہیں، وہ بھی آخرکار ایک انسان ہے اور جو غریب، مفلس، فاقہ زدہ ہے، جس کے پاس نہ گھر ہے، نہ کھانے کو روٹی، نہ پہننے کو کپڑا، وہ بھی ایک انسان ہی ہے۔

شاعر مزید کہتا ہے کہ جس کے پاس دولت کے انبار ہیں، جو سونے چاندی میں کھیلتا ہے، وہ بھی آدمی ہے اور جو بے یار و مددگار ہے، تنہا ہے، پریشان حال ہے، وہ بھی انسان ہی ہے۔ پھر شاعر کھانے کی مثال دیتا ہے ،جو شخص لذیذ اور مزیدار کھانے کھا رہا ہے، انواع و اقسام کی نعمتیں چکھ رہا ہے، وہ بھی انسان ہے اور جو سوکھے ٹکڑے، خشک روٹی کھا رہا ہے، جس کے کھانے میں کوئی ذائقہ یا لذت نہیں، وہ بھی آدمی ہی ہے۔

شاعر ان تمام مثالوں سے یہ سبق دینا چاہتا ہے کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے لباس، دولت، یا رتبے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے انسان ہونے سے ہوتی ہے۔ سب انسان برابر ہیں، سب کا خون ایک جیسا ہے، سب کے دکھ سکھ ایک جیسے ہیں۔ کسی کو حق نہیں کہ وہ دوسرے کو کمتر سمجھے، کیونکہ سب ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔

نظم کے دوسرے بند میں شاعر انسان کی روحانی اور اعتقادی حیثیت کو بیان کرتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان

صرف جسمانی یا دنیاوی مرتبے میں ہی مختلف نہیں، بلکہ روحانی طور پر بھی مختلف درجہ رکھتے ہیں۔لیکن، اس کے باوجود، سب کی اصل ایک ہی ہے۔سب 'آدمی' ہیں۔

شاعر کہتا ہے کہ وہ نیک بندے جو اللہ کے بہت قریب ہیں، جیسے:

قطب : وہ بزرگ جو روحانی دنیا کے مرکز ہوتے ہیں۔

غوث : وہ ہستیاں جو لوگوں کی مدد کے لیے وسیلہ بنتی ہیں۔

ابدال : وہ اولیاء جو دنیا کے مختلف حصوں میں اللہ کے حکم سے مقرر کیے جاتے ہیں۔

ولی : وہ پاک دل لوگ جو اللہ کی دوستی حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔

یہ سب اللہ کے نیک بندے ہیں، مگر حقیقت میں یہ سب بھی انسان ہی ہیں، گویا ان کی روحانی بلندی ان کی انسانیت سے جدا نہیں کرتی۔اس کے برعکس، شاعر کہتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے خدا کے وجود سے انکار کیا، جو کفر کی راہ پر چل پڑے، وہ بھی آخرکار آدمی ہی ہیں۔یعنی دنیا میں ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، جو دوسروں کو نیکی، سچائی اور روحانی فیض دیتے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہیں، جنھوں نے حق کو پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔لیکن دونوں گروہوں میں ایک بات مشترک ہے،یہ سب انسان ہیں۔

شاعر کا پیغام یہ ہے کہ انسانوں کی ظاہری یا روحانی حیثیتیں چاہے جتنی بھی مختلف ہوں، سب کی اصل ایک ہی ہے۔کوئی بھی فرشتہ نہیں، کوئی مٹی سے بلند نہیں۔ہر انسان میں بھلائی اور برائی کا امکان موجود ہے۔کسی کو حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو حقیر سمجھے یا خود کو بلند مرتبہ سمجھے۔

نظم کے تیسرے بند میں شاعر انسانی غرور اور تکبر کی ایک اہم مثال پیش کرتا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ وہ لوگ جو خود کو خدا کہلوانے لگے، جو خدائی کا دعویٰ کرنے لگے، وہ بھی آخرکار انسان ہی تھے۔جیسے فرعون جس نے حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں خود کو ربِ اعلیٰ کہا۔نمرود جو حضرت ابراہیمؑ سے خدا ہونے کا جھگڑا کرتا رہا۔شداد جس نے دنیا میں جنت بنانے کا دعویٰ کیا اور اپنی طاقت پر ناز کیا۔یہ سب لوگ بہت بڑی بڑی باتیں کرتے تھے، اپنے آپ کو خدا سمجھتے تھے، لیکن وہ سب اللہ کی مخلوق تھے، آدمی ہی تھے۔

شاعر کہتا ہے کہ اب میں اس سے آگے کیا لکھوں؟ یعنی وہ قاری کو دعوت دیتا ہے کہ خود غور کریں، خود سوچیں کہ وہ جو زمین پر اپنی خدائی قائم کرنا چاہتے تھے، جو غرور، تکبر اور دولت میں اندھے ہو گئے تھے،وہ بھی اسی مٹی سے بنے تھے جس سے ایک عام انسان۔یہ بند ہمیں سکھاتا ہے کہ تکبر اور غرور انسان کو کہیں نہیں لے جاتا۔جو شخص خدا ہونے کا دعویٰ کرے، وہ بھی فانی ہے، بشر ہے، آدمی ہے۔

چوتھے بند میں نظیر اکبرآبادی انسانی نیکی اور بدی کی ایک دلچسپ اور حقیقت پسند تصویر پیش کرتے ہیں۔شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا میں وہ لوگ جو مسجد بناتے ہیں(جو نیک کام ہے)، وہ بھی آدمی ہوتے ہیں، جو مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، خطبہ

دیتے ہیں، دین کی باتیں کرتے ہیں، وہ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ بھی آدمی ہیں، جو مسجد میں آنے والوں کی جوتیاں چراتے ہیں اور جو یہ سب ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔یعنی شاعر ایک ہی منظر میں نیکی، عبادت، بدی اور جرم۔سب کی موجودگی کو دکھاتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ ان سب کا تعلق انسانوں سے ہے۔

یہ بند ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ انسانی فطرت میں اچھائی اور برائی دونوں پہلو موجود ہیں اور ہم کسی کو محض اس کے لباس یا مقام سے نیک یا بد نہیں کہہ سکتے۔

پانچویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ اس دنیا میں آگ کے مانند بھی آدمی ہیں اور نور کے مانند بھی۔یہاں آدمی ہی آدمی کے پاس ہے اور آدمی ہی آدمی سے دور ہے۔یعنی آدمی کے عمل ہی سے اچھائی اور برائی ظاہر ہوتی ہے۔یہاں پر آدمی کو دھوکہ،فریب دینے والا بھی آدمی ہے اور ان کو صحیح راستہ دکھانے والا بھی آدمی ہے۔یعنی اس دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں،ایک نیک اور دوسرا بد۔نیک لوگ اچھے اعمال کی بدولت جنت کے حق دار ہیں اور برے لوگ برے اعمال کی وجہ سے جہنم کے حق دار ہیں۔مطلب یہ کہ آدمی ہی جنت اور جہنم میں جانے والا ہے۔

چھٹے بند میں شاعر انسان کی مختلف شخصیتوں اور رویوں کی تصویر کھینچتا ہے۔وہ بتاتا ہے کہ آدمی ایک ہی شکل و صورت میں نظر آتا ہے، مگر اس کے اندر کئی چہرے ہوتے ہیں۔کئی سوچیں، کئی نیتیں، کئی کردار۔شاعر کہتا ہے کہ اس دنیا میں کچھ ایسے انسان بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی، خیر خواہی اور خدمت کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔وہ ایثار و قربانی کی مثال بن جاتے ہیں،لیکن اس کے برعکس کچھ ایسے بھی انسان ہوتے ہیں جو صرف اپنے فائدے، لالچ اور خودغرضی کی خاطر دوسرے انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

شاعر مزید کہتا ہے کہ دوسرے کی بے عزتی کرنے والا بھی آدمی ہوتا ہے اور جب کوئی مدد کے لیے پکار لگاتا ہے، تو اس کی مدد کے لیے دوڑ کر آنے والا بھی آدمی ہی ہوتا ہے۔اس بند کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر نیکی اور بدی دونوں کے بیج موجود ہیں، فرق صرف اس بات کا ہے کہ وہ کون سا راستہ چنتا ہے۔

ساتویں بند میں نظیر اکبرآبادی انسانی عمل اور کردار کے مزید پیچیدہ اور گہرے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ دنیا میں جو انسان سفر پر روانہ ہوتا ہے، جو راستوں، منزلوں اور مقاصد کی تلاش میں نکلتا ہے، وہ بھی آدمی ہے ،لیکن وہ شخص بھی آدمی ہی ہوتا ہے، جو دوسرے آدمی کو پھانسی کے پھندے میں جھولنے پر مجبور کرتا ہے، جو انسان کو ظلم، بربریت اور تشدد کا نشانہ بناتا ہے،جو دوسروں کو چالاکی اور فریب سے اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔

شاعر مزید کہتا ہے کہ سچ بولنے والا بھی آدمی ہے اور جھوٹ بولنے والا بھی آدمی ہی ہے۔یعنی نیکی اور بدی، سچ اور جھوٹ، رحم اور ظلم ، سب کے اعمال انسانوں ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔

آٹھویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ یہاں آدمی ہی آدمی(مرد و عورت) سے شادی کرتا ہے اور اس شادی میں شرکت کرنے والے باراتی، وکیل، گواہ اور قاضی(نکاح میں شامل لوگ) سبھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ بارات کے آگے

ناچنے، گانے اور بجانے والے بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔رات کے وقت مشعلیں جلا کر جو لوگ آگے آگے چلتے ہیں وہ بھی اور جو گھوڑے پر سوار ہو کر دلہن بیاہنے آتا ہے وہ بھی آدمی ہی ہوتا ہے۔

نویں بند میں نظیر نے اپنے زمانے کی سماجی صورت حال کا نقشہ بڑی خوب صورتی سے کھینچا ہے کہ جب رئیسوں اور امیروں کی سواری جاتی ہے تو نقیب(خبر دینے والا،مدح خواں،ہرکارہ) آگے آواز لگاتے جاتے ہیں۔اور راستے میں پیدل اور سواری پر چلنے والے ان کے ساتھ حقہ، صراحی اور جوتیاں بغل میں دبائے ہوئے دوڑتے جاتے ہیں۔جن کے کندھوں پر پالکی رکھی ہوتی ہے اور جو پالکی میں بیٹھا ہوتا ہے وہ بھی آدمی ہی ہے۔

دسویں بند میں شاعر کہتاہے کہ لوگوں کو پناہ دینے وال بھی آدمی ہے اور ہر طرح کے گانے بجانے والے بھی آدمی ہی ہیں۔رنڈی کو نچانے والا بھی آدمی ہے اور ان کو دیکھ کر ناچنے والا اور خوش ہونے والا بھی آدمی ہی ہے اور سب کو ناچتے ہوئے دیکھنے والا بھی آدمی ہی ہے۔

7.2.3 نظم 'شب برات' کا تعارف و منتخب متن:

تعارف:

نظم 'شب برات' پندرہ بند پر مشتمل نظم ہے، جو مخمس (پانچ مصرعے) کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔یہ نظم ایک عوامی اور تہذیبی نظم ہے جس میں شاعر نے شبِ برات کے مذہبی، سماجی اور تہوارانہ پہلوؤں کی نہایت دل چسپ تصویر کشی کی ہے۔اس نظم میں شبِ برات کی رات کے مختلف مناظر، لوگوں کی مصروفیات، رسم و رواج، کھانے پینے، فاتحہ خوانی، آتش بازی اور عوامی زندگی کے رنگین پہلوؤں کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ اس رات گھروں میں حلوہ اور چپاتیاں تیار کی جاتی ہیں اور مرنے والوں کی روحوں کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ دی جاتی ہے۔امیر لوگ عمدہ کھانے اور قیمتی اشیا کا اہتمام کرتے ہیں، جب کہ غریب لوگ اپنی حیثیت کے مطابق معمولی سامان سے رسم ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس طرح شاعر نے معاشرتی نابرابری اور غربت کی جھلک بھی دکھائی ہے۔نظم میں ملاّؤں، مفلسوں، نوجوانوں، بچوں اور عیاش لوگوں کے مختلف اندازِ عمل کو طنز و مزاح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔کہیں بچے آتش بازی میں مصروف ہیں، کہیں نوجوان شوخیاں کر رہے ہیں اور کہیں مولوی اچھے حلوے کی تلاش میں گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔شاعر نے شبِ برات کو صرف ایک مذہبی رات کے طور پر نہیں بلکہ پورے معاشرے کے تہذیبی میلے کے طور پر پیش کیا ہے۔اس نظم کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی حقیقت نگاری، عوامی زبان، سادگی، مزاح اور معاشرتی مشاہدہ ہے۔نظیر اکبر آبادی نے عام لوگوں کی زندگی اور تہواروں کو شاعری کا موضوع بنا کر اردو نظم کو ایک نئی وسعت عطا کی۔ اب ہم نظم 'شب برات' کے ابتدائی دس بند کی قرأت اور اس کی تشریح کا مطالعہ کریں گے۔

منتخب متن:

(1)

کیونکر کرے نہ اپنی نموداری شب برات
چلپک چپاتی حلوے سے ہے بھاری شب برات

زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شب برات
مردوں کی روح کی ہے مددگاری شب برات
لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

(2)

شکر کا جن کے حلوہ ہوا وہ تو پورے ہیں
گڑ کا ہوا ہے جن کے وہ ان سے ادھورے ہیں
شکر نہ گڑ کا جن کے وہ پرکٹ لنڈورے ہیں
اوروں کے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
ان کی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ساری شب برات

(3)

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے
قندوں کے حلوے روغنی نانیں لیے کھڑے
پہونچائے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے
زندے بھی راہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے
ان خوبیوں کی رکھتی ہے تیاری شب برات

(4)

ٹھلیاں چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے
ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی کڑھی کی مثال ہے
پانی سے ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے
کرتی ہے ایسی دکھیا پسنہاری شب برات

(5)

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنا کی فاتحہ
دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ
حلوائی کی دکان پہ دادا کی فاتحہ

یاں تک تو ان پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

(6)

وارث ہیں جن کے جیتے وہ مردے بھی آن کر
حلوے چپاتی خوب ہی چکھتے ہیں پیٹ بھر
جن کا کوئی نہیں ہے وہ پھرتے ہیں در بدر
اوروں کے لگتے پھرتے ہیں کونوں سے گھر بہ گھر
ان کی ہے کھاری نون سے بھی کھاری شب برات

(7)

ملا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں
حلوہ کہیں کہیں وہ چپاتی اڑاتے ہیں
مفلس کوئی بلاوے تو منہ کو چھپاتے ہیں
شکر کا حلوہ سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں اہا ہا ری شب برات

(8)

چھوڑے ہے لٹو تونبڑی ہر دم بنا کے جو
حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اس سے تلخ ہو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو
چھپر جلاؤ گے تو دلاوے گی صبح کو
تم سے چبوترے میں گنہ گاری شب برات

(9)

پھرتے ہیں عشق باز جو لڑکے کی گھات میں
ٹونٹا ہی لے کے دیتے ہیں لڑکے کے ہاتھ میں
مہتابی آ کے چھوڑیں ہیں لڑکے جو رات میں
کیا زرکیاں سی چھوڑے ہیں ہنس ہنس کے بات میں
کرتی ہے کام ان کے بھی یوں جاری شب برات

(10)

جو رنڈی باز ہیں وہ بہت دل میں شاد ہو
کیا کیا انار چھوڑے ہیں بشنی ہو روبرو
اے بی تم اپنی کلھیا ہمیں چھوڑنے کو دو
اور چاہو تم ہمارا یہ ہت پھول چھوڑ لو
ہو جائے جس کے چھٹتے ہی پھلواری شب برات

7.2.4 نظم 'شب برات' کے منتخب متن کی تشریح:

نظیر اکبر آبادی نظم 'شب برات' کے پہلے بند شبِ برات کی اہمیت اور عوامی رنگ کو بیان کرتے ہیں۔شاعر کہتا ہے کہ شبِ برات کیوں کر اپنی شان و شوکت ظاہر نہ کرے، جب کہ اس رات میں حلوہ، چپاتی اور مختلف قسم کے کھانوں کی فراوانی ہوتی ہے۔یہ رات زندہ لوگوں کے لیے ذائقے اور لذت کا سامان بنتی ہے، جب کہ مرنے والوں کے لیے ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی کا ذریعہ بنتی ہے۔گویا یہ رات دنیا اور آخرت دونوں کے تعلق کو جوڑ دیتی ہے۔نظیر اکبر آبادی کے مطابق شبِ برات ہر شخص کو عزیز اور محبوب معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں مذہبی عقیدت کے ساتھ خوشی، دعوت اور سماجی میل جول بھی شامل ہے۔

دوسرے بند میں شاعر نے مختلف طبقوں کی معاشی حالت کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔جن لوگوں کے گھروں میں شکر کا حلوہ تیار ہوتا ہے وہ خوش حال اور مطمئن ہیں، جبکہ جن کے ہاں گڑ کا حلوہ بنتا ہے وہ نسبتاً کم حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن جن کے پاس نہ شکر ہے نہ گڑ، وہ انتہائی غریب اور محروم ہیں۔ایسے لوگ دوسروں کے گھروں کے حلوے اور چپاتیوں کو حسرت سے دیکھتے رہتے ہیں۔شاعر نے اس منظر کے ذریعے معاشرتی نابرابری اور غربت کی تلخ حقیقت کو نہایت دل چسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔شبِ برات کی خوشیاں ہر ایک کے لیے برابر نہیں ہوتیں بلکہ دولت مند اور غریب کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے۔

تیسرے بند میں نظیر اکبر آبادی نے امیر طبقے کی شان و شوکت کا نقشہ کھینچا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ جو لوگ دولت مند ہیں وہ عمدہ قند کے حلوے اور روغنی نان تیار کرواتے ہیں۔ان کے نوکر خوان اٹھائے ادھر اُدھر پھرتے ہیں تاکہ عزیزوں اور غریبوں میں تقسیم کریں۔زندہ لوگ بھی ان کھانوں کے منتظر ہوتے ہیں اور مرنے والوں کے لیے بھی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ شاعر نے اس منظر کے ذریعے شبِ برات کی تیاریوں کی وسعت اور امیروں کی فراخ دلی کو بیان کیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ احساس بھی دلایا ہے کہ یہ شان و شوکت صرف مال داروں تک محدود ہے۔

نظم کے چوتھے بند میں شاعر غریب طبقے کی حالت بیان کرتا ہے۔شبِ برات پر حلوہ اور چپاتی بنانا ایک عام رسم ہے لیکن غریب آدمی کے لیے یہ بھی مشکل کام ہے۔وہ بمشکل کالے گڑ سے معمولی سا حلوہ تیار کرتا ہے اور گیہوں کی روٹی پانی

سے تر کر کے گزارا کرتا ہے۔شاعر نے 'پنساری شبِ برات' کہہ کر غربت کی مجبوریوں اور بے بسی کو نمایاں کیا ہے۔اس بند میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ خوشی کے مواقع بھی غریب کے لیے آزمائش بن جاتے ہیں کیونکہ وہ رسمیں نبھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

پانچویں بند میں شاعر مفلس لوگوں کی بے بسی اور تمناؤں کا ذکر کرتا ہے۔غریب لوگ شبِ برات پر اپنے بزرگوں کی فاتحہ دلانے کے لیے مختلف جگہوں پر جاتے ہیں۔کوئی دریا کنارے فاتحہ دیتا ہے، کوئی بھٹیاری کے تنور کے پاس، اور کوئی حلوائی کی دکان کے سامنے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس اپنے گھروں میں اہتمام کرنے کی استطاعت نہیں۔شاعر نے نہایت طنزیہ انداز میں دکھایا ہے کہ غربت انسان کو کس قدر مجبور کر دیتی ہے کہ وہ دوسروں کے سہارے اپنی مذہبی رسمیں ادا کرتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی نے چھٹے بند میں یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی محرومی کو بیان کیا ہے۔جن لوگوں کے وارث اور عزیز موجود ہیں، وہ تو شبِ برات میں خوب حلوہ اور چپاتیاں کھاتے ہیں، لیکن جن کا کوئی نہیں ہوتا وہ در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔وہ دوسروں کے گھروں کے دروازوں اور کونوں میں جا کر کچھ ملنے کی امید رکھتے ہیں۔شاعر کہتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے شبِ برات نمک سے بھی زیادہ کڑوی محسوس ہوتی ہے۔اس بند میں انسانی بے بسی اور سماجی بے حسی کا دردناک نقشہ موجود ہے۔

ساتویں بند میں ملّاؤں کے رویّے پر طنز کیا گیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ مولوی حضرات فاتحہ دلانے کے لیے گھروں میں جاتے ہیں اور جہاں اچھا حلوہ ملتا ہے وہاں خوب رغبت سے کھاتے ہیں۔لیکن اگر کوئی غریب انہیں بلائے تو وہ منہ چھپاتے اور جانے سے گریز کرتے ہیں۔شکر کے حلوے کا نام سنتے ہی فوراً دوڑے چلے جاتے ہیں۔شاعر نے اس انداز سے مذہبی پیشواؤں کی دنیا داری، لالچ اور منافقت کو بے نقاب کیا ہے کہ وہ دین سے زیادہ کھانے اور منفعت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

آٹھویں بند میں شبِ برات کی آتش بازی اور اس سے پیدا ہونے والی شرارتوں کا ذکر ہے۔کچھ لڑکے لٹو اور تونبڑی وغیرہ جلا کر شور مچاتے ہیں۔حاکم کا سپاہی انہیں ڈانٹتا ہے کہ احتیاط کرو، کہیں آگ لگ گئی تو صبح سزا ملے گی۔شاعر نے اس بند میں بچوں کی شوخی، رات کی گہما گہمی اور حکومتی پابندیوں کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔اس سے شبِ برات کے تہوار کا عوامی اور تفریحی پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

نویں بند میں نوجوان لڑکوں کی شوخیوں اور عشق بازی کا ذکر ہے۔کچھ نوجوان شبِ برات کی رات کو موقع بنا کر محبوب لڑکوں کے پیچھے پھرتے ہیں اور انہیں آتش بازی کے ٹونٹے وغیرہ تحفے میں دیتے ہیں۔مہتابیوں اور چراغوں کی روشنی میں وہ ہنسی مذاق کرتے ہیں۔شاعر نے اس بند میں تہوار کے موقع پر نوجوانوں کی چلبلی طبیعت اور شوخیوں کو ہلکے طنز اور مزاح کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دسویں بند میں شاعر نے طوائفوں اور عیاش لوگوں کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔رنڈی باز لوگ شبِ برات کی رات

بڑی خوشی سے آتش بازی کرتے اور رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ مختلف قسم کے انار اور پھول جھڑیاں جلائی جاتی ہیں۔ شاعر نے مکالماتی انداز میں اس ماحول کی رنگینی اور شوخی کو بیان کیا ہے۔ اس بند سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ برات صرف مذہبی عبادت کی رات نہیں رہی بلکہ عوامی تفریح، میل ملاپ اور عیش و عشرت کا ذریعہ بھی بن گئی تھی۔ نظیر اکبر آبادی نے معاشرے کے ہر طبقے اور ہر رویّے کو حقیقت پسندانہ انداز میں اپنی نظم میں جگہ دی ہے۔

7.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظیر اکبر آبادی کو اردو کا عوامی شاعر کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے عام لوگوں کی زندگی، رسم و رواج اور تہواروں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔
- نظیر اکبر آبادی کی نظموں میں حقیقت نگاری، سادگی، عوامی انداز اور معاشرتی مشاہدہ نمایاں ہے۔
- نظیر نے میلوں، تہواروں، سماجی طبقات اور روزمرہ زندگی کے مناظر کو شاعری میں پیش کیا۔
- نظم 'آدمی نامہ' میں انسان کی حقیقت اور اس کے مختلف روپ بیان کیے گئے ہیں۔
- دنیا کا ہر فرد، چاہے بادشاہ ہو یا فقیر، سب 'آدمی' ہیں۔
- امیری اور غریبی انسان کی اصل پہچان نہیں ہے۔
- نیک اور بد دونوں طرح کے لوگ انسان ہی ہیں۔
- فرعون، نمرود اور شداد جیسے ظالم بھی انسان تھے۔
- عبادت گزار، گناہگار، عالم اور جاہل سب انسان ہیں۔
- انسان ہی اچھائی اور برائی دونوں کا ذمہ دار ہے۔
- انسان ہی نیکی بھی کرتا ہے اور ظلم بھی۔
- شادی، تجارت، عبادت، جنگ اور دیگر سرگرمیاں انسان سے وابستہ ہیں۔
- نظم 'آدمی نامہ' کا مرکزی خیال انسانی مساوات اور حقیقت پسندی ہے۔
- نظم "شبِ برات" شب برات کے تہوار، رسموں اور سماجی مناظر کو پیش کرتی ہے۔
- شب برات کی رات کو عبادت، دعا اور ایصالِ ثواب کے لیے اہم سمجھا جاتا ہے۔
- اس رات گھروں میں حلوہ، چپاتی اور مختلف کھانے تیار کیے جاتے ہیں۔
- امیر لوگ عمدہ اور مہنگے کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں۔
- غریب لوگ اپنی حیثیت کے مطابق سادہ کھانے بناتے ہیں۔

- لوگ اپنے مرحومین کے لیے فاتحہ دیتے ہیں۔
- نوجوان، بچے اور مختلف طبقے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔
- نظم میں شبِ برات کو ایک تہذیبی، مذہبی اور سماجی میلے کے طور پر دکھایا گیا ہے۔

7.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
گدا	:	بھکاری
زردار	:	دولت مند
ابدال	:	اولیاء اللہ کا ایک بلند درجہ رکھنے والا گروہ
قطب	:	بزرگ ولی
کشف	:	روحانی طور پر حقیقت کا ظاہر ہونا
زہد	:	عبادت اور پرہیز گاری
فرعون	:	مصر کا ظالم بادشاہ
شداد	:	ایک متکبر اور جابر بادشاہ
نمرود	:	قدیم ظالم بادشاہ
مشعل	:	روشنی دینے والا چراغ
نقیب	:	اعلان کرنے والا
مجیرے	:	ایک قسم کا موسیقی کا ساز
نمود اری	:	دکھاوا، اپنی شان ظاہر کرنا
چلپک چپاتی	:	نرم اور لذیذ چپاتی
قند	:	شکر کی ڈلی، مٹھاس
روغنی نان	:	تیل یا گھی سے بنی ہوئی نان
فاتحہ	:	ایصالِ ثواب کے لیے دعا
بھٹیاری	:	تنور چلانے والی عورت یا نانبائی
ٹونٹا	:	آتش بازی کی ایک قسم
تونبڑی	:	آتش بازی کا ایک کھیل یا پٹاخہ

7.5 نمونۂ امتحانی سوالات

7.5.1 معروضی سوالات:

1۔ 'آدمی نامہ' کس کی نظم ہے؟

(a)اکبر الہ آبادی (b)مولانا حالی (c)نظیر اکبر آبادی (d) علامہ اقبال

2۔ 'آدمی نامہ' میں کل کتنے بند ہیں؟

16(a) 20(b) 14(c) 18 (d)

3۔ 'آدمی نامہ' کس ہیئت میں لکھی گئی ہے؟

(a)مثلث (b)مربع (c)مخمس (d)مسدس

4۔ 'آدمی نامہ' کا مرکزی موضوع کیا ہے؟

(a)محبت (b)انسانی مساوات (c)جنگ (d)قدرتی مانظر

5۔ نظم 'شب برات' میں کتنے بند ہیں؟

16(a) 20(b) 15(c) 18 (d)

6۔ نظم 'شب برات' کس ہیئت میں ہے؟

(a) مخمس (b)مثمن (c)معشر (d)مسدس

7۔ 'شب برات' کس نوعیت کی نظم ہے؟

(a) رومانی (b)تہذیبی (c)سیاسی (d)مذہبی

8۔ 'شب برات' میں کون سا پہلو نمایاں ہے؟

(a)جنگ (b)سیاست (c)کھیل (d)تہوار

9۔ نظیر اکبر آبادی کی نظموں کی خصوصیت کیا ہے؟

(a) پیچیدہ زبان (b)علامتی انداز (c) حقیقت نگاری (d) تصوف

10۔ نظیر اکبر آبادی کو کس لقب سے یاد کیا جاتا ہے؟

(a)عوامی شاعر (b)جدید شاعر (c)قومی شاعر (d)رومانی شاعر

7.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم 'آدمی نامہ' کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ نظم 'آدمی نامہ' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

3۔ نظم 'شب برات' کا تعارف بیان کیجیے۔

4۔ نظم 'شب برات' کا خلاصہ لکھیے۔

5۔ 'آدمی نامہ' اور 'شب برات' کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

7.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ 'آدمی نامہ' میں انسانی مساوات کے تصور کو کس طرح پیش کیا گیا ہے؟ بیان کیجیے۔

2۔ 'آدمی نامہ' میں انسان کے مختلف کرداروں اور طبقات کو کس طرح بیان کیا گیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

3۔ 'شب برات' میں امیر اور غریب طبقے کے فرق کو کس طرح واضح کیا گیا ہے؟ بیان کیجیے۔

7.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	دیوان نظیر	مرتبہ: مرزا فرحت اللہ بیگ
2۔	نظیر اکبر آبادی کے کلام کا تنقیدی مطالعہ	طلعت حسین نقوی
3۔	نظیر شناسی	محمد علی اثر / اکبر علی بیگ
4۔	روح نظیر	محمد محمود علی رضوی
5۔	نظیر نامہ	شمس الحق عثمانی

7.5.1 کے جوابات:

c۔1	a۔2	c۔3	b۔4	c۔5
a۔6	b۔7	d۔8	c۔9	a۔10

اکائی 8: نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی، امتیازی خصوصیات، غزلوں کا مطالعہ

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی

8.3 نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی امتیازی خصوصیات

8.4 غزلوں کا مطالعہ اور تشریح

8.5 اکتسابی نتائج

8.6 کلیدی الفاظ

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی سوالات

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

نظم نگاری کا نقشِ اول کہے جانے والے نظیر اکبر آبادی کی غزلیہ شاعری کو ناقدین اور تذکرہ نویسوں نے درخور اعتنا نہیں سمجھا حالانکہ ان کی غزلیں بھی روایتی معیار پر کھری اترتی ہیں۔ انھوں نے حسن و عشق، لب و رخسار اور گل و عارض جیسے موضوعات پر عمدہ غزلیں لکھیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نظیر کی غزلیں روایتی محبوب کے حسن و عشق کے قصوں تک محدود نہیں بلکہ ان میں انسان کی نفسیات، معاشرتی رویوں، ارضی حقائق، وعظ و نصیحت، بے ثباتیِ دنیا، حقیقتِ موت اور فلسفیانہ موضوعات کا بھی بے باک اظہار ملتا ہے۔ نظیر کی غزلیں ان کی نظموں کے برعکس سادہ، سلیس اور عام فہم ہیں۔ ان کی غزلوں میں داخلیت سے زیادہ خارجیت، زمینی حقائق نیز عوامی رنگ سے مملو ہیں۔ نظیر کی غزلوں میں روایتی اور کلاسیکی غزل کے بجائے حقیقت پسندی اور روزمرہ زندگی کی عکاسی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ نظیر

اکبر آبادی کی بیشتر غزلیں بھی نظموں کی طرح عوامی ہیں، ان میں عوام کے چھوٹے بڑے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کی غزلوں کی زبان سادہ ہے، انھوں نے مشکل فارسی تراکیب کے بجائے برج بھاشا، ہندی، روزمرہ اور عوامی بول چال کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کی غزلوں میں فطری پن پیدا ہو گیا ہے، نظیر کا یہ انداز پڑھنے والے کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ نظیر کی غزلوں میں تصوف، اخلاقیات، حقیقتِ دنیا اور بے ثباتیِ دنیا کا عنصر واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ دنیا کی فنائیت اور موت کی حقیقت کو انتہائی دردمندانہ لیکن فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ نظیر کی غزلیں روایتی بندشوں اور تکلفات سے آزاد ہیں۔ انھوں نے اپنے جذبات اور مافی الضمیر کو واضح انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظیر کی غزلیہ شاعری سے آشنا ہو سکیں۔
- نظیر کی غزلوں کے خصوصی پہلوؤں کو سمجھ سکیں۔
- نظیر کی غزلوں کے موضوعات سے واقف ہو سکیں۔
- نظیر کی منتخب غزلوں کی تشریح و تعبیر کر سکیں۔

8.2 نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی

عوامی شاعر کے لقب سے شہرت پانے والے محمد نظیر اکبر آبادی کا مقام و مرتبہ جہاں ان کی نظم گوئی کے منفرد رنگ و آہنگ اور اچھوتے اسلوب سے متعین ہوتا ہے وہیں ان کی غزلوں کے امتیازی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے کلیات مطبوعہ 1951 میں نظموں کے ساتھ غزلوں کا بھی وافر حصہ موجود ہے۔ ان کی غزلوں میں مقامی ہندوستانی زبانوں کے الفاظ و تلمیحات اور اساطیر کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ میلوں ٹھیلوں، رسوم و رواج، توہمات و عقائد کا جو رنگ ان کی نظموں میں ملتا ہے تقریباً وہی رنگ ان کی غزلوں میں بھی موجود ہے۔ دراصل نظیر کی غزلیہ شاعری میں خارجیت زیادہ ہے۔ ان کا رشتہ ارضیت سے استوار ہے البتہ ان کے یہاں فکری عناصر کا فقدان ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کے خیال میں نظیر کا دماغ چھوٹا اور تجربہ محدود ہے۔ ان کے یہاں الفاظ کی کثرت تو پائی جاتی ہے مگر تنوع نہیں ہے۔ نظیر کے کلام میں ہندوستان کے تمام مذاہب کے تہوار کی تصویر کشی تمام جزئیات کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ان کی غزلوں میں ہندوستان کے موسم، ان موسموں کے خوش گوار اور ناخوش گوار پہلوؤں کا بیان نہایت خوبصورتی کے ساتھ ملتا ہے۔ نظیر کی غزلوں میں ایسے اشعار بھی ہیں جن کا تعلق اسلامی مبادیات سے ہے۔ اسی لیے نظیر کو ہند مسلم تہذیب کا سب سے نمائندہ اور جاندار شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ نظیر کی انفرادیت اس بات میں بھی ہے کہ دیگر شعراء نے جس بات کو فن کے پردے میں چھپا کر بیان کیا، نظیر ان سب باتوں کو برملا، بلا تکلف اور بلا خوف بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عوامی شاعر بلکہ اردو کا پہلا عوامی شاعر قرار دینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ نظیر کی شاعری سے لطف اندوز ہونے کے لیے فکر و احساس میں تبدیلی لانی پڑتی ہے۔ نظیر اردو کی شعری روایت میں اپنے طرز احساس کا اکلوتا شاعر ہے اور

خود اس کو بھی اس کا احساس ہے۔ اس لیے اس کی شاعری میں تنہائی کا احساس بہت گہرا اور شدید ہے۔ خودداری بھی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھیے:

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاوں کا چھالا
آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک
آپی سیا، سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

نظیر کی غزلیں منفرد رنگ و آہنگ سے مزین ہیں۔ ان کی غزلوں میں خودداری، احساس جمال، احترام آدمیت اور عظمتِ انسان کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ ان کی غزلوں میں زندگی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان کی غزلوں میں ایک مناسب اور متوازن کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ نظیر کی غزلیں مناسب اور خوشگوار ماحول کے جذبات و احساسات سے بھرپور ہیں۔ نظیر نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا، سمجھا اور برتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں زندگی کے باریک سے باریک تر احساسات خوبصورت پیکر میں ڈھلے ہوئے ملتے ہیں۔ نظیر نے زندگی کے دونوں پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں خوشی اور غم بیک وقت ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ ان کی غزلیں حسن و عشق، مسرت اور طرب کی نوید دیتی ہیں۔ انھوں نے دونوں کیفیات کو بہت لطیف اور نازک لب ولہجہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں گل و بلبل کی داستان کے ساتھ زندگی کے عام مسائل بھی برتے گئے ہیں۔ نظیر نے اپنی غزلوں میں جو ماحول پیدا کیا ہے وہ یقین کا ماحول نہیں بلکہ یقین پسندی کا ماحول ہے۔ اپنی غزلوں کے لیے بعض زمینیں نظیر کی خود پیدا کردہ ہیں۔ وہ مشکل سے مشکل زمینوں میں بھی آسان غزلیں کہنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ شوخی، شرارت، چھیڑ چھاڑ اور معاملہ بندی جیسے عناصر نظیر کے یہاں موجود ہیں۔ نظیر نے اپنی غزلوں میں ہر طرح موضوعات پیش کیے۔ ان کی غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں غزلوں کی تین صورتیں موجود ہیں:

(1) سادہ غزل (2) مسلسل غزل (3) موضوعی غزل

نظیر نے جن غزلوں میں انسانی زندگی اور اس کے متعلقات یا عام چیزوں کو موضوع بنایا، وہ سادہ غزلوں کے ضمن میں آتی ہیں۔ ایسی غزلوں میں اعلیٰ وارفع خیالات نہیں پیش کیے گئے ہیں البتہ زندگی کو سمجھنے اور اس کو عمدہ طریقے سے گزارنے کی اخلاقیات ملتی ہیں۔

مسلسل غزل کے ضمن میں نظیر کی ان غزلوں کو شامل کیا جاتا ہے، جن میں ایک ہی خیال یا فکر کو ایک ہی ردیف و قافیہ کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ ایسی غزلوں میں تقریبات، موسم، فصل، مختلف مراتب زندگی، لوازمات تمدنی، ایام ولیالی، نور و ظہور قدرت، مشاغل تفریح، عمارات، اشیائے قدرتی، نادر امثال، مفید حکایات، مذہب و تصوف، حسن و عشق، حکایات و قصص، ہزل و ظرافت جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ ایسی غزلوں پر نظیر کی نظموں کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ ایسی غزلوں میں بھی نظم کی طرح متواتر اور تسلسل کے ساتھ ایک ہی موضوع پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

موضوعی غزلوں کو نظیر نے باقاعدہ طور پر کسی نہ کسی عنوان کے تحت لکھا ہے۔ نظیر کی ایسی غزلوں پر جوانی، بہار، پنکھیا، بالا، برسات، کوٹھا، دیوالی، بسنت، جوانی، بالا، پنکھیا، سنگترا، خربوزہ، بسنت، حقہ، سمدھن، موتی، آرسی، عید، شب برات، پری، برسات، بٹوار،

آگرہ، بہار، ازار بند، پری جیسی سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔ مثلاً کہیں ان کی غزلیں 'خربوزے' کے عنوان سے ہیں تو کہیں 'موتی' اور کہیں 'بہار' کے عنوان سے۔ اس طرح ان کی ساری غزلیں دلچسپ ہیں۔ 'سمدھن' کا رشتہ بہت ہی نازک ہوتا ہے جسے نظیر نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اس میں سمدھن کے حسن کی تعریف اس طرح بیان کی، ملاحظہ کیجیے:

چمن میں حسن کے ہوں اس کے رخ اور زلف پر قرباں
اگر دیکھیں ذرا صورت گل وریحان سمدھن کی

بیان کیا جاتا ہے کہ نظیر کی محبوبہ کا نام 'موتی' تھا۔ موتی کو نظیر نے اپنی غزل کا عنوان بنایا اور اپنی شاعری میں اس لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کر کے اپنی خلاق طبیعت کی مثال قائم کر دی۔ اس غزل کا یہ شعر دیکھیے:

پری زادوں میں ہے نام خدا جس شان پر موتی
کوئی ایسا نہیں موتی، مگر موتی، مگر موتی

'آرسی' کو بھی نظیر نے اپنی غزلیہ شاعری کا عنوان بنایا ہے۔ 'مہندی' کو عنوان بنا کر نظیر نے ایک غزل لکھی، جس میں انھوں نے مہندی کی خصوصیات کو بڑے دل کش انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب اس کے ہاتھوں میں لگی مہندی

بسنت کے خوشنما ماحول و مناظر کو بھی نظیر نے اپنی غزلوں میں بطور موضوع پیش کیا ہے۔ ایسی غزلوں میں انھوں نے بسنت کے پُر کیف ماحول و مناظر کی منظر کشی کے ساتھ اس کے بسنتی لباس کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

باغوں میں لطف نشوونما کی ہیں کثرتیں
بزموں میں نغمہ خوش دلی افزا بسنت کا

ہندوستان کے تمام تہواروں کی طرح 'عید' بھی نظیر کا پسندیدہ تہوار اور موضوع رہا ہے۔ اس کے تحت انھوں نے عید کی خوشیوں، اس کے متعلقات، اس کے لوازمات اور عوام کی خوشیوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اس عنوان کے تحت انھوں نے عوام کی خوشیوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ جب محبوب ساتھ ہوتا ہے تو عید کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔ درج ذیل اشعار دیکھیے:

حشر تک جاتی نہیں خاطر سے اس حسرت کی بو
عطر بغلوں میں وہ بھر بھر کر لگانا عید کا
دل کے ہو جاتے ہیں ٹکڑے جس گھڑی آتا ہے یاد
عیدگہ تک دلبروں کے ساتھ جانا عید کا

نظیر کی ایک غزل 'شب برات' کے عنوان سے ہے، جس میں 'شب برات' کے نور اور عوام کے دل کی خوشی ظاہر کی گئی ہے۔

عالم کے بیچ جس گھڑی آتی ہے شب برات
کیا کیا ظہور نور دکھاتی ہے شب برات
کیا کیا میں شب برات کی خوبی کہوں نظیر
لاکھوں طرح کی خوبیاں لاتی ہے شب برات

'پری' کے عنوان سے نظیر کی غزل دیکھیے:

رخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب نام خدا ہو ترے قربان پری
کیا کہوں اس کے سراپا کی میں تعریف نظیر
قد پری، دھج پری، عالم پری اور شان پری

'آگرہ' نامی غزل میں نظیر کہتے ہیں:

رکھتا ہے گو قدیم سے بنیاد آگرہ
اکبر کے نام سے ہوا آباد آگرہ
اس میں سدا خوشی سے رہا ہے ترا نظیر
یارب ہمیشہ رکھیو تو آباد آگرہ

غرض یہ کہ نظیر اکبر آبادی نے انسانی معاشرے کے ہر پہلو کو اپنی غزلوں میں بطور موضوع پیش کیا ہے۔ 'عبرت' کا پہلو ان کے کلام کا خاص موضوع ہے۔ انھوں نے موت سے سبق لے کر اخلاق کی اصلاح کی ہے۔ نظیر کی بعض غزلیں بیانیہ انداز میں ہیں، جس میں نظیر نے نئے پیرایہ بیان کا استعمال کر کے اپنی مہارت کا مسلم ثبوت فراہم کیا ہے۔ قوت بیان کے ساتھ ساتھ سادگی کی پرکاری پورے کلام میں موجود ہے۔

نظیر کی مسلسل غزلیں ہوں یا موضوعاتی، ان کی جدتِ طبع کا کمال اور فنکارانہ صلاحیت کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ اردو شاعری پر نظیر کا احسان یہ ہے کہ انھوں نے اردو ادب کو ایسی غزلیں دیں جو مسلسل بھی ہیں اور نظمیہ اسلوب کی حامل بھی۔ اس قبیل کی غزلیں کسی بھی موضوع یا فلسفہ کو بیان کرنے کے لیے نہایت موثر اور کارگر ہوتی ہیں۔ ایسی ہی غزلوں میں اقبال کا پورا فلسفہ سما گیا۔ اگر نظیر یہ اسلوب اور اندازِ بیان ایجاد نہ کرتے تو اقبال کو شکایت ہوتی کہ غزل کا دامن ان کے فلسفہ کا متحمل نہیں ہے۔ دراصل یہی نظیر کی انفرادیت ہے جس کا نمونہ ان کی غزلوں میں ملتا ہے۔ اس طرح انھوں نے غزل کو ایک خاص صفت سے روشناس کرایا اور اس میں ایک ہی موضوع کو تواتر اور تسلسل کے ساتھ بیان کیا۔ ان سے پہلے غزل کی یہ صفت کہیں اور نظر نہیں آتی۔ نظیر اس اعتبار سے بھی منفرد شاعر ہیں کہ انھوں نے غزل کو نہ صرف ندرت عطا کی بلکہ اسے نئے لب و لہجے اور نئے موضوعات و مضامین سے متعارف کرایا اور اس میں موضوع کے توسیع و تسلسل سے

نظم کی صفت پیدا کر دی جو ان کا امتیازی لہجہ ہے۔ اپنے اس اجتہاد کے لیے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

نظیر کی غزلوں کے موضوعات و مضامین ان کے عہد کی غزلیہ شاعری سے قدرے مختلف ہیں۔ نظیر کے عہد میں جس نوع کی شاعری ہو رہی تھی اس کے موضوعات مختص تھے۔ اسی کے تحت پوری شاعری گھوم رہی تھی۔ چونکہ اردو کی غزلیہ شاعری ایرانی غزلیہ شاعری سے مستعار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امراء اور شرفاء کو خوش کرنے کے لیے شعر کہے جا رہے تھے۔ نظیر نے جس نوع کی غزلیہ شاعری کی وہ اپنے دور کے شعراء کے موضوعات و مضامین سے ہٹ کر تھی۔ نظیر کی غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی غزلیں اس وقت کی غزلیہ شاعری کے معیار سے بہت بلند ہیں۔ اس وقت کے شعراء نے شاعری کے لیے جو معیار متعین کیے تھے نظیر کی غزلیں ان معیارات پر حاوی ہیں۔ وہ اپنی غزلیہ شاعری کے خود موجد تھے، اور خود ہی خاتم۔ نظیر اپنے ہم عصر شعرا میں اس لحاظ سے سب سے منفرد ہیں کہ وہ کبھی اپنی ذات، زمانے کے حصار اور خود پسندی کے خول میں مقید نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے مخلصانہ اور ظریفانہ دونوں طرح کی تنقیدوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ انھوں نے اردو شاعری میں ایسی مختلف و منفرد راہ ایجاد کی، جو اس عہد کی شاعری کی عام روایات سے مختلف تھی۔ انھوں نے اردو شاعری کو نئی وسعتوں سے آشنا کیا اور نئے نئے موضوعات عطا کیے۔ نظیر کے بیشتر موضوعات عوامی اور زمینی سطح کے ہیں۔ انھوں نے خود کو دلی اور لکھنو کی شعری اور درباری روایات سے بھی علیحدہ رکھا۔ وہ صحیح معنوں میں عوامی شاعر تھے۔ ہندوستان میں رہنے والے عوام کی زندگی کا انھوں نے بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ نتیجتاً انھوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات کو عوام کی زبان میں غزلوں کی صورت میں پیش کیا۔

نظیر کی غزلیہ شاعری فطرت کی مصوری ہے۔ نظیر جب عشق کا بیان کرتے ہیں تو ان کے یہاں خیال، عشق یا فرضی عاشق کی داستان سرائی نہیں ہوتی بلکہ اس شے کا بیان ہوتا ہے جو حقیقت میں وقوع پذیر ہوئی ہے۔ اسی طرح جب وہ محبوب کے سراپا کا بیان کرتے ہیں تو وہ مٹی سے بنا ہوا گوشت پوشت کا انسان ہوتا ہے۔ وہ فرضی یا تصوراتی محبوب جو صرف خیالات اور تخیل میں جلوہ گر ہوتا ہے، نظیر کا موضوع نہیں ہے۔ نظیر نے غزلیہ شاعری کو وسعت دے کر مختلف موضوعات و مضامین کو داخل کر دیا۔ ان کی شاعری میں فلسفہ، تصوف، عشق، اخلاقیات اور سماج و معاشرے سے مطابقت رکھنے والے مضامین بہت ہی خوبصورت اور دلکش انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ نظیر کے ذہن میں اپنی دنیا اور سماج کا ایک خوبصورت تصور موجود تھا، جس کو وہ اپنی غزلوں کے پیکر میں ڈھال کر دنیائے ادب کو نذر کر گئے۔ نظیر نے ایک عام انسان سے لے کر خاص انسان کے وارداتِ قلبی کو اپنی غزلوں میں بڑی خوبی سے بیان کر دیا ہے۔ ان کی شاعری سے معلوم ہوتا ہے کے نظیر نے غزل کے تنگ دامن کو بحر بے کراں میں تبدیل کر دیا۔ یہ اردو کی غزلیہ شاعری پر نظیر کا احسان ہے۔

نظیر کی غزلیہ شاعری میں خودداری اور احساس بصیرت کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ ان کا خلوص اور حقیقت پسندی ان کی غزلوں کی شکل میں صفحہ قرطاس پر موجود ہے۔ نظیر کے تخیل میں افسانوی مسرت، اثر پذیری اور نمائشی نفاست نہیں ہے۔ وہ ہمارے سامنے جس جذبہ کی کیفیات پیش کرتے ہیں ان کے جسم و جان میں پہلے وہ دوڑ چکی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں نیچرل اور عوامی شاعر کے خطاب سے نوازا گیا۔ ان کی غزلوں میں جو نصیحتیں ملتی ہیں، پہلے ان پر نظیر نے عمل کر کے دکھایا ہے، بعد میں نصیحتیں کی ہیں۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں حقیقت اور شہادت پر مبنی ہوتا ہے۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس کی بنیاد ان کا عینی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہے۔ نظیر نے عوام کی زبان میں شاعری

کی جس کی وجہ سے ان پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ زبان سے نابلد ہیں لیکن بعد کے دور کی تنقید نے ثابت کر دیا کہ زبان کے معاملہ میں وہ نہ تو میر اور غالب سے کمزور تھے اور نہ شاعری کے معاملہ میں، کیونکہ میر کے یہاں غم و آلام اور معاملات عشق نظر آتے ہیں اور غالب اپنے فلسفہ معانی میں الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس نظیر اکبر آبادی نے عام انسانی زندگی کی مکمل عکاسی کی ہے۔ وہ جذبات کی ترجمانی بہت ہی فطری انداز میں کرتے ہیں۔ ان کے ذریعہ کی گئی جذبات کی عکاسی سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ ان کی وارداتِ قلبی کا نتیجہ ہے۔ ان کے کلام میں تصنع وریاکاری کا گزر نہیں ہے۔

نظیر کی فکری وسعت، ان کے فنی شعور اور دلِ درد آشنا کے پیش نظر ان کے غزلیہ کلام پر مشتمل سرمایہ بہت ہی کم ہے کیونکہ انھوں نے کثرت سے غزلیں لکھ کر اس کو عریاں اور غیر سنجیدہ ہونے سے بچالیا۔ نظیر کی غزلوں میں ان چیزوں کو تلاش کرنا ہوگا جو سچی غزل کی آبرو ہے، یہی ان کا اصل فن ہے۔ وہ اس کو کبھی قربان نہیں ہونے دیتے۔ نظیر چونکہ عوامی شاعر تھے اس لیے ان کی غزلیہ شاعری کے موضوعات بھی عوام سے متعلق ہیں۔ نظیر کی غزلوں میں عوامی زندگی سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے غزل کو نئے انداز، منفرد اسلوبِ بیان اور طرزِ ادا سے ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ نظیر کا لب ولہجہ ان کی انفرادیت کے باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ نظیر اپنے زمانے میں بھی منفرد تھے آج بھی ہیں۔ نظیر کی غزلیہ شاعری کی یہی خصوصیات ان کو عام شعراء سے ممتاز کرتی ہیں۔ انھوں نے سماجی اور سیاسی موضوعات کو بڑی کامیابی کے ساتھ غزل کے پیرایے میں ڈھال کر پیش کیا۔ عام طور سے غزل گو شعراء سیاسی اور سماجی موضوعات کے بیان کرنے میں نظم اور غزل میں تفریق نہیں کرپاتے۔ نظیر کے یہاں یہ بات نہیں بلکہ وہ غزل کے مخصوص الفاظ کے ذخیرے میں نئے الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے نہیں گھبراتے۔ وہ عوام کی زبان میں عوام کی ترجمانی کرتے تھے۔

نظیر کی غزلوں کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اردو کی ساری روایات، جو فارسی روایات سے مستعار ہیں، ہندوستانی تناظر اور اس کی تہذیبی وثقافتی ہم آہنگی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی غزلوں میں برتنے کی سعی کی۔ یہی انفرادیت ان کی شاعری کو دوسرے اردو شعراء سے منفرد و ممتاز کرتی ہے۔ نظیر کی غزلوں میں فلسفہ، تصوف، نفسیاتی حقائق اور اخلاقیات کا اظہار بہت ہی دل آویز اور دل نشیں انداز میں ہوا ہے۔ زندگی اپنی پوری جلوہ سامانیوں، تابانیوں اور گوناگوں کیفیات کے ساتھ ان کی غزلوں میں جلوہ گر ہے۔ انھیں زندگی سے اتنی محبت ہے کہ محاکات کے بیان میں کبھی کبھی وہ ابتذال کی سرحدوں کو بھی چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نظیر کی غزلیہ شاعری اردو کی عام غزلیہ شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ میر، ذوق اور غالب جس اسلوب میں شاعری کر رہے تھے، نظیر نے اس کی تقلید نہیں کی کیونکہ اردو کے اساتذہ شعراء جو شاعری کر رہے تھے وہ عوام کے لئے نہیں بلکہ شرفاء اور امراء کے لیے یا اپنی تفنن طبع کے لیے کر رہے تھے۔ نظیر شاعرانہ دماغ، شاعرانہ طبیعت اور شاعرانہ دل لے کر پیدا ہوئے تھے، وہ عوام کے شاعر تھے۔ عوام کی دھڑکن، عوام کی پریشانیاں، اس وقت کے ہندوستانی عوام کی مفلوک الحالی، مفلسی ان سب چیزوں کو نظیر نے اپنی غزلوں میں پیش کیا۔ نظیر کے عہد میں میر، سودا یا دیگر شعراء جس زبان میں شاعری کر رہے تھے، وہ نظیر کے اسلوب اور زبان سے بہت دور تھی۔ اور شاید یہ ممکن نہیں تھا کہ میر وسودا کی زبان میں وہ بات کہی جاسکتی جو نظیر نے اپنی زبان میں کہی، اس لیے نظیر نے ایسی زبان میں شاعری کی جو اس وقت خواص میں استعمال نہیں ہوتے تھے۔ نظیر کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ وہ عربی، فارسی اور ہندوستانی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے انھوں

نے ایوانِ غزل کا ایک منفرد زبان سے سجایا، جس کی خوبصورتی اور دلکشی کا احساس اس وقت نہیں ہوا لیکن بعد کے دور میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ نظیر اپنے اسلوب کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ جن کی عظمت کو بعد کے شعراء نے تسلیم کیا ہے۔ نظیر کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے محمود ہاشمی لکھتے ہیں:

"نظیر کی ہر غزل میں یہ Persona ایک مکمل آدمی کے روپ میں موجود ہے ہر ایک شعر ایک تخاطب ہے۔ ہر شعر میں 'میں' یا واحد متکلم یا "I"capital کلیدی حیثیت کا پیکر ہے۔ اس کے ساتھ ہی نظیر کی غزل کا ہر شعر ایک دوسری، ادھوری، شکستہ، منقسم اور محدود یا مجوب شخصیت کا persona بھی رکھتا ہے۔ یہ دوسرا پیکر نظیر کے اشعار کو فعال، متحرک Tension سے بھرپور بناتا ہے اس دوسرے پیکر سے نظیر کا مکمل 'میں' ہم کلام بھی ہے، چھیڑ چھاڑ میں بھی مصروف ہے۔ نظیر بازی اور پرچے بازی بھی کرتا ہے، ہاتھاپائی تک بھی پہنچتا ہے ۔ نازو ادا کو بھی برداشت کرتا ہے، پسپا بھی ہوتا ہے ۔ اور مقابل کی شخصیت کو پسپائی اور شکست سے بھی دوچار کرتا ہے.... نظیر کی بیش تر غزلوں میں ایک مکمل، مردانہ وار، متحرک شخصیت 'میں' کے پیکر میں موجود ہے۔"

(نظیر فہمی، مرتب: شمس الحق عثمانی، دلی کتاب گھر، دہلی، ص:865)

نظیر ہندوستانی ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانیت کے بھی پرستار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیہ شاعری کا کینوس اتنا وسیع ہے کہ اس میں پورے ہندوستان کو دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ ہر طبقہ کے انسان پر عمیق نظر رکھتے تھے، اسی لیے وہ انسانوں کے سکھ دکھ کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں اوراخوت، انسان دوستی، قومی یکجہتی، حب الوطنی نیز عوام پرستی کو اپنے بے باک اور حقیقی شاعری کے توسط سے انتہائی سادگی، سچائی اور حق گوئی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے عوامی جذبات، خیالات و محسوسات کو عوامی زبان میں ڈھال کر پیش کیا۔ وہ عوام کے ساتھ گھلے ملے تھے اور عوام کی نشستوں میں ساتھ ساتھ رہ کر اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ وہ انسانی زندگی اور اس کے متعلقات کے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ نظیر کا خصوصی پہلو ان کا متنوع لب ولہجہ اور قدرتِ اظہار پر قدرت بھی ہے۔ انھوں نے مکھی، مچھر سے لے کر خدائے برتر وتعالیٰ تک تقریباً ہر مضمون کو موضوع بنا کر پیش کیا ہے۔ انھوں نے غیر شاعرانہ مضامین کا بھی انتخاب کر کے ثقیل اوراجنبی الفاظ کو شعر میں ڈھال دیا ہے۔ نظیر نے جس خوبی سے ان الفاظ میں پوشیدہ موسیقی اور حسن کو بھی نمایاں کیا، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

8.3 نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی کی امتیازی خصوصیات

اس میں شبہ نہیں کہ نظیر کے عہد میں میر وغالب جیسے شاعر موجود تھے، جن کے بغیر اس عہد کا شعری منظر نامہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا لیکن نظیر کی متنوع شاعری نے شعری منظر نامہ ہی تبدیل کر دیا۔ نظیر ایک دیو پیکر شخصیت کی صورت میں نمودار ہوئے۔ ان کی

شخصیت جتنی ہمہ گیر، رنگارنگ اور تنومند ہے، وہ دوسرے شعراء کے یہاں ناپید ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر بڑی شخصیت کی طرح جتنے متضاد خیالات نظیر کے حوالے سے سامنے آئے، اتنے مختلف اور متضاد خیالات کسی اور شاعر سے منسوب نہیں ہیں۔ نظیر کی شخصیت میں رجائیت، قنوطیت، بلندیاں اور پستیاں، خوبیاں اور خامیاں، غزل گوئی، جزئیات نگاری، رمزیت، فلسفہ، فحاشی اور عوام دوستی وخواص بیزاری، ان کا فارسی سے تعلق اور ہندی سے لگاو، ہندومت سے عقیدت اور اسلام سے وابستگی، کنہیاجی اور سلیم چشتی، حضرت علیؓ اور گرونانک غرض ہر مسلک اور ہر شخصیت کا احترام، سب کی دلداری اور ہر ایک سے صلح پسندی جیسے اتنے محاسن مجتمع ہوگئے ہیں کہ ان میں سے کسی کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ انہی محاسن کے ارد گرد نظیر کی غزلیہ شاعری کے تانے بانے بُنے گئے ہیں۔

نظیر کی غزلیہ شاعری اپنے اندر ایک مکمل تہذیب رکھتی ہے۔ ان کی شاعری تعصبات وکینہ پروری سے پاک ہے۔ نظیر اپنی غزلوں میں کسی خاص مذہب یا کسی خاص طبقہ سے مخاطب نہیں ہوتے بلکہ ان کا کلام بلا تخصیص مذہب وملت، رنگ ونسل سبھی انسانوں کے لیے یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی سب کو مساوات کی نظر سے دیکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ باہمی میل جول، اخوت اور یگانگت سے انسان کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ باہمی تنازعات اور تفرقوں کو عبث گردانتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ بے تعصبی، رواداری، صلح کل اور پرامن زندگی گزارنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں
عاشق تو قلندر ہے نہ ہندو نہ مسلماں

نظیر کی غزلیہ شاعری ان کے عہد کی ایک تاریخی دستاویز کی طرح ہے، جس میں اس عہد کی تہذیبی وتمدنی معاشرت کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ نظیر اردو ادب کے منفرد اور عوامی شاعر تھے۔ وہ نظم نگاری کے نقشِ اولین تسلیم کیے جاتے ہیں حالانکہ انھوں نے عمدہ غزلیں بھی کہی ہیں اور اس حوالے سے ان کا کلیات بھی شائع ہوچکا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں عام انسانوں کی زندگی، رسم ورواج اور روزمرہ کے حالات کو موضوع بنایا ہے۔ ان کی غزلوں میں عوامی رنگ کا عکس ہے۔ انہوں نے امیر وغریب، بچے، بوڑھے، فقیر، مزدور اور عام لوگوں کے حالات اور ان کے مسائل کو اپنی غزلوں میں پیش کرنے کی سعی کی، یہی وجہ ہے کہ انھیں 'عوامی شاعر' کہا جاتا ہے۔ نظیر کا عام رنگ دیکھیے:

حسن اس شوخ کا اہا ہاہا
جن نے دیکھا کہا اہا ہاہا
کی او ہوہو کسی نے دیکھ نظیر
کوئی کہنے لگا اہا ہاہا

نظیر کی غزلوں کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ثقہ اہل زبان کی نگاہ میں یہ استعمال درست نہ سہی لیکن نظیر اسے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ کسی اجنبیت یا زبان کے کھردرے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ انھوں نے اپنے ایک شعر میں روزمرہ، محاورات، رعایت لفظی اور ہندی ترکیب کے ساتھ فارسی اضافت کو یکجا کردیا ہے۔

زلف دوپٹہ دھانی میں کر کے نہاں، مرا دل باندھ لیا
صید نہ کھاوے کیوں کر جُل جب سبزے میں پنہاں دام کیا

دوپٹہ اور دھانی میں اضافت، صید کے دام، دھانی کے ساتھ سبزے کی رعایت اور جل کھانا روز مرہ محاورہ ہے۔ جل میں ایک پہلو بیوقوف بن جانے کا بھی ہے یعنی صید کیوں نہ بیوقوف بن جائے جب سبزے میں دام چھپا ہوا ہو۔ روز مرہ اور محاورات کے استعمال میں نظیر کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ بعض جگہوں پر انہیں الفاظ کے انتخاب اور اپنے استعمال پر قابو نہیں رہتا اور شعر سپاٹ، بے کیف اور کبھی مبتذل ہو جاتا ہے لیکن عام طور پر ان کی زبان کا الگ لطف ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید
کچھ تو ہم نے سامنے اک ہم نشیں سے کہہ دیا
یہ ستم دیکھو ذرا منھ سے نکلتے ہی نظیر
اُس نے اُس سے، اُس نے اُس سے، اُس نے اُس سے کہہ دیا

یہاں چاہ کے دو معنی ہیں؛ ایک محبت جس کو ہم چھپائے ہوئے تھے، دوسرے چاہ بمعنی خواہش کہ ہماری خواہش تھی کہ ہم تیرے راز کو چھپائے رہیں۔ اس کے علاوہ "اس نے اُس سے، اُس نے اس سے، اُس نے اس سے" کی تکرار نے شعر کو سہل ممتنع بنا دیا ہے۔

نظیر نے اپنی غزلوں کی زبان و بیان میں بھی وہی آزادانہ روش اختیار کی ہے جو ان کی نظموں میں پائی جاتی ہے۔ غزل اظہار میں محتاط رویے، نازک خیالی اور فکر انگیزی کا مطالبہ کرتی ہے لیکن نظیر اس کی پروا نہیں کرتے۔ اس لیے عام طور پر ان کی غزلوں میں ان کے دوسرے معاصرین شعرا کے مقابلے میں گہرائی و گیرائی کم ہے۔ پھر بھی ان میں ان کے عہد کی تصویریں بھی ہیں اور بعض ایسے نازک اشعار بھی ہیں جن کا جواب اردو شاعری میں بمشکل ملے گا۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں عام طور پر سادہ مضامین نظم کیے ہیں۔ بعض اوقات وہ نہایت معمولی تشبیہات و استعارات کے ذریعہ ایک خاص لطف پیدا کر دیتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھ عقد ثریا ہمیں انگور کی سوجھی
کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی
ہم نے تو اسے دیکھ کے جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انہیں حور کی سوجھی

نظیر نے مروجہ روایات سے ہٹ کر اپنی غزلوں میں نہایت آسان، عام فہم، سادہ، دلنشیں اور عوامی لب و لہجہ استعمال کیا۔ وہ مشکل اور ثقیل و گنجلک الفاظ نیز پیچیدہ تراکیب کے بجائے عام بول چال کی زبان استعمال کرتے ہیں، جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ انھوں نے تشبیہات و استعارات اور علامات کے استعمال کے بجائے ابلاغ و ترسیل پر زیادہ زور دیا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا

کتنا ہی اس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

نظیر کے اکثر اشعار تخیل، بندش اور زبان کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار دیکھیں:

اس بے وفا نے ہم کو اگر اپنے عشق میں
رسوا کیا خراب کیا پھر کسی کو کیا
ساقی ظہور صبح وترشح ہے نور کا
دے مے یہی تو وقت ہے نور و ظہور کا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تک نہ دیکھ سکا
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لا لا
اے داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

نظیر اکبر آبادی اردو شاعری کے ایسے منفرد شاعر ہیں، جنھوں نے اپنے منفرد موضوعات کے سبب غزلیہ شاعری میں اپنی انفرادیت قائم کی۔ انھوں نے زندگی کے عام موضوعات کو اپنی غزلوں کا حصہ بنایا۔ ان کی شاعری میں حسن و عشق کے عناصر نمایاں طور پر ملتے ہیں، لیکن ان کا انداز دوسرے کلاسیکی شعرا سے قدرے مختلف ہے۔ نظیر نے عشق کو محض خیالی اور داستانی رنگ میں نہیں پیش کیا بلکہ اسے حقیقی زندگی کے جذبات اور انسانی احساسات سے وابستہ کر دیا۔ نظیر کی غزلوں میں حسن کا بیان نہایت سادہ، فطری اور دلنشیں انداز میں ہوا ہے۔ وہ محبوب کے حسن کو تصنع اور مبالغے کے بجائے عام انسانی خوبصورتی کے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں محبوب کی ادا، گفتگو، چال ڈھال اور معصومیت کا ذکر اپنی تمام تر شدت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ انھوں نے حسن کو زندگی کی خوشیوں اور فطری لطافت کا مظہر قرار دیا ہے۔ عشق کے بیان میں بھی نظیر کا انداز حقیقت پسندانہ ہے۔ ان کے یہاں عشق صرف جذباتی کیفیت کا نام نہیں بلکہ انسانی زندگی کا فطری احساس ہے۔ وہ عشق میں جدائی، بے قراری، وفاداری اور انتظار کے جذبات کو نہایت سادگی سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں تصنع کم اور خلوص زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار قاری کے دل پر براہِ راست اثر کرتے ہیں۔ نظیر کی غزلوں میں عاشق کی بے بسی، محبوب کی بے نیازی اور محبت کی ناپائیداری کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کے یہاں عشق' اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اس تعلق سے یہ شعر دیکھیے:

جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

نظیر کا عشق بہت خوددار ہے۔ ان کے عشق میں انانیت ہے۔ وہ محبوب کی بے رخی پر فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔

آپ سے چاہوں تو اٹھ جاوں گا اس بزم سے میں
اور اک 'ہوں' بھی کروگے تو مچل جاوں گا

لیکن نظیر کی خودداری میں لچک بھی ہے۔ وہ وقتی طور پر محبوب سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن لمحہ بھر میں اپنی انا سے شکست کھا جاتے ہیں۔ ان کی خودداری فنا ہو جاتی ہے۔ وہ پسپا ہو جاتے ہیں۔ وہ محبوب کی بے وفائیوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور اس سے وصل کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ انا کی شکست اور خود سپردگی کے حوالے سے یہ شعر دیکھیے:

بے کلی آج بھی واں لے گئی مجھ کو تو نظیر
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاوں گا

بلکہ محبوب کے حصول اور اس کے وصال میں وہ یہاں تک کہہ اٹھتے ہیں کہ:

میں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو
یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں

نظیر کی غزلوں میں حسن و عشق کی پیکر تراشی بھی عمدہ انداز میں ملتی ہے۔ اس سیاق میں نظیر کو یہ برتری حاصل ہے کہ زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں کثرت اور تکمیل کے ساتھ سب سے پہلے انہی کے یہاں ملتی ہیں۔ دوسری طرف ان کی شناخت وہ سادہ اور سلیس زبان ہے جس کی وجہ سے ان کی شاعری سے خواص کے ساتھ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ انھوں نے جوانی، بہار، پنکھیا، بالا، برسات، کوٹھا، دیوالی، بسنت، جوانی، بالا، پنکھیا، سنگترہ، خربوزہ، بسنت، حقہ، سمدھن، موتی، آرسی، عید، شب برات، پری، برسات، بٹوار، آگرہ، بہار، ازار بند، پری جیسے موضوعات کے ساتھ تہواروں اور قدرتی مناظر کی جزئیات کی پیکر تراشی بھی خوبصورت انداز میں کی ہے۔ اپنے موضوع کو شعری صورت عطا کرتے ہوئے وہ معمولی سے معمولی جزئیات کو نظر انداز نہیں کرتے، جس سے مختلف واقعات و مناظر کی مکمل اور مجسم تصویریں قاری کے سامنے آتی ہیں۔

حکم چپّی کا ہوا شب، تو سحر تک ہم نے
رَت جگا ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے

نظیر کی غزلوں میں حقیقت پسندی کے عناصر بھی ہیں۔ انھوں نے زندگی اور اس کے مسائل کو حقائق کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا۔ انھوں نے خیالی، تخیلاتی اور تصوراتی دنیا نہیں بنائی بلکہ انسانی معاشرے، موسموں، میلوں، ٹھیلوں اور روزمرہ کے واقعات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ ان کی غزلوں میں حسن و عشق کا بیان سادہ، فطری اور خلوص سے مملو ہے۔ وہ عشق کو انسانی جذبات کا قدرتی احساس سمجھتے ہیں اور تصنع سے گریز کرتے ہیں۔

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا
یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

نظیر کی غزلوں میں اخلاقی اور اصلاحی پہلو بھی ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں کے ذریعہ انسان کو عاجزی، محبت، اخوت اور نیکی کی تلقین کی ہے۔ نظیر کی غزلوں میں زندگی کی بے ثباتی کا احساس اپنے تمام تر شدائد کے ساتھ ملتا ہے۔ انھوں نے قدم قدم پر عارضی زندگی اور بے ثباتیِ دنیا کی یاد دہانی کرائی ہے۔ نظیر کے بیشتر اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور محبت کے عارضی پن کا احساس بھی نمایاں ہے۔ وہ اپنی غزلوں میں یہ سبق دیتے ہیں کہ حسن اور عشق دونوں زندگی کے خوبصورت مگر فانی پہلو ہیں۔ نظیر کی شاعری کا ایک خصوصی پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے عشق کو صرف ذاتی جذبات تک مقید نہیں رکھا بلکہ اسے انسانی ہمدردی اور محبت کے رشتے سے جوڑ دیا۔ ان کے یہاں محبت کا دائرہ وسیع ہو کر انسان دوستی تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وسعتِ نظری ان کی شاعری کو منفرد بناتی ہے۔ ان کی غزلوں کے کئی اشعار انسان کو غرور سے بچنے اور حقیقت کو سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
مثل تحریر موج نقش بر آب
زندگانی ومرگ بھی کیا ہیں
ایک مثل خیال ودیگر خواب

یا ایک جگہ فانی دنیا کی تشریح کرتے ہوئے اس طرح گویا ہیں:

دیکھ لے اس چمنِ دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

نظیر کی غزلوں میں تمثال کاری کی بھی عمدہ تصویریں ملتی ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں اخلاقی اور نصیحت آموز بیانات سادگی کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ ان کی تمثیلوں میں محاکات اور تصویر کاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کے موسموں، تہواروں کو اپنی موضوعی غزلوں میں پیش کیا۔ انھوں نے صبح وشام کی کیفیات، چاندنی اور سحر کے دلکش نظارے اور گلابی جاڑوں کی ہو بہو تصویریں کھینچ دیں، وہ سردی کے موسم کی تکلیفوں اور سختیوں کا ذکر بھی اس کی تمام جزئیات کے ساتھ کرتے ہیں۔ مقامیت ان کی غزلوں کا بنیادی عنصر ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں کے موضوعات ہندوستان کی ارضی فضاؤں سے اخذ کیے ہیں۔ وہ کوئی بھی مضمون بیان کرنے میں ہندو مسلم کی قید سے آزاد ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیں ہندوستانی تہذیب کی سچی نمائندگی اور حقیقی تصویریں پیش کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری سے اپنے ارد گرد کی زندگی کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

لب و دہاں بھی وہ نرم و نازک مسی و پاں بھی وہ قہر و آفت
سخن بھی کرنے کی وہ لطافت کہ گویا موتی ٹپک رہا ہے
صراحی گردن وہ آبگینہ پھر آگے سینہ بھی جوں نگینہ
بھرا ہے جس میں تمام کینہ کہ جوں نگینہ دمک رہا ہے

واقعہ نگاری اور تلمیح کے حوالے سے بھی نظیر کی غزلیں اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ مختلف موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے لفظی تصویروں کے تسلسل کے ساتھ واقعے کی مکمل شکل قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ ان کی غزلوں کو پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے گویا وہ اپنی آنکھوں سے اس واقعے کو دیکھ رہا ہے۔ نظیر کی غزلیں محاکات اور شاعرانہ مصوری سے معمور ہیں۔ ان کی ہر تصویر اور محاکات کا ہر نمونہ ان کے کمالِ فن کا ثبوت ہے۔ انھوں نے جس چیز کو دیکھا اسے مصور کر دیا۔ انھوں نے ہر منظر کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ بیان کر دیا۔ ان کی غزلوں میں مناظر کے تمام رخ اور تمام پہلو موجود ہیں۔ ان کی غزلوں میں منظر نگاری کے توسط سے واقعیت کو پیش کرنے کا ایک جداگانہ انداز ملتا ہے۔ ان کی غزلوں میں تمثال کی جو تصاویر ملتی ہیں وہ صرف باصرہ ہی نہیں بلکہ شامہ، سامعہ، لامسہ اور ذائقہ کی حس کو بھی لطف اندوز کرتی ہیں۔ ان کی یہ تصویریں ساکت نہیں بلکہ متحرک ہوتی ہیں۔ یہ اشعار دیکھیے:

لپٹ لپٹ کے میں اس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منہ آنسوؤں سے دھوتا تھا
تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

تلمیح کے حوالے سے یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب
لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

نظیر کی غزلوں کے موضوعات میں کافی تنوع ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں کے موضوعات ماورائی قصوں کے بجائے حقیقی زندگی سے اخذ کیے، انھوں نے اپنی آنکھوں سے جن حالات و مسائل کا سامنا کیا یا انھوں نے اپنے عہد میں جن مصائب و اذیتوں کو دیکھا، انھیں برملا اور بغیر کسی تصنع کے بیان کر دیا۔ یہی موضوعات کا تنوع نظیر کو عمدہ شاعروں کی صف میں کھڑا کرتا ہے۔ نظیر نے اپنی غزلوں میں قومی اور تہذیبی عکاسی بھی کی ہے۔ ان کی غزلوں میں ہندوستانی تہذیب، میل جول اور ثقافت کی خوبصورت تصاویر ملتی ہیں، ان میں مختلف تہواروں اور رسموں کا ذکر ہے، جو نظیر کے وسیع اور آفاقی نظریے کو ظاہر کرتا ہے۔ انھوں نے عام انسان کی خوشیوں، محرومیوں، جذبات اور روزمرہ زندگی کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا، جس سے ان کی غزلیں عوامی زندگی کی بھرپور ترجمان بن گئی ہیں۔ یہی حقیقت پسندی اور عوامی وابستگی ان کی شاعری کو اپنے عہد کے دوسرے شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔

8.4 غزلوں کا مطالعہ

غزل-1

دور سے آئے تھے ساقی سن کے مے خانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم
مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ مے خانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم
طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بت خانے کو ہم
باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم
کیا ہوئی تقصیر ہم سے تو بتا دے اے نظیر
تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مر جانے کو ہم

تشریح:

شعر نمبر1: نظیر اکبر آبادی کہتے ہیں کہ ہم بڑی امید اور شوق کے ساتھ دور دراز سے مے خانے یعنی خوشی، محبت اور سکون کی تلاش میں آئے تھے۔ ہمیں امید تھی کہ یہاں محبت، راحت یا شرابِ عشق نصیب ہوگی لیکن بدقسمتی سے ہمیں شراب نصیب نہ ہو سکی اور ہم صرف پیمانے کو دیکھتے رہ گئے اور حسرت و افسوس کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔ اس شعر میں 'مے خانہ'، 'ساقی' اور 'پیمانہ' علامتی الفاظ ہیں، جن کے توسط سے انسانی تمناوں، اس کی محرومیوں اور ناکامیوں کا اظہار کیا گیا ہے۔

شعر نمبر2: شاعر کہتا ہے کہ مے خانہ میں ہر چیز دستیاب ہے۔ شراب بھی ہے، مینا بھی ہے اور ساغر بھی ہے، لیکن ساقی موجود نہیں ہے، جو محبت اور توجہ کے ساتھ شراب پیش کر سکے۔ یعنی ظاہری سامان تو سبھی مہیا ہیں مگر اصل لطف اور روح موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے شاعر کے دل میں غصہ اور بے چینی پیدا ہو رہی ہے، یہاں تک کہ وہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ دل چاہتا ہے اس مے خانے کو آگ لگا دیں، کیونکہ جب ساقی ہی نہیں تو پھر اس میخانے کی رونق اور اہمیت چہ معنی

دارد؟اس شعر میں مے سے عشق، خوشی اور روحانی سرور مراد ہے، میناو ساغر سے دنیاوی وسائل اور ظاہری آسائشیں، ساقی سے محبوب، مرشد یا اصل روحانی اور جذباتی سکون اور میخانہ سے دنیا، محفلِ عشق اور زندگی مراد ہے۔

شعر نمبر3: اس شعر میں نظیر نے محبوب کی بے رخی اور اپنی محبت کے درد کو بڑے سادہ مگر اثر انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ نظیر محبوب سے شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں تو ہماری کوئی خبر کیوں نہیں لیتا؟ ہماری حالت اور دکھ درد کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتا؟ کیا ہم نے تم سے صرف اس لیے محبت کی تھی کہ ہمیشہ غم اور تکلیف ہی اٹھاتے رہیں؟ اس شعر میں محبوب کی محبت سے محرومی، انتظار اور محبوب کی بے وفائی کا نہایت خوبصورت انداز میں اظہار کیا گیا ہے۔

شعر نمبر4: اس میں شاعر نے انسان کی مجبوری اور محرومی کا درد بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہمیں پنجرے میں قید ہونا ہی تھا تو پھر شکاری سے کیسا شکوہ؟ گویا ہماری قسمت میں گرفتار اور قید ہونا ہی لکھا تھا۔ البتہ افسوس یہ ہے کہ قید ہونے کے بعد بھی ہمیں آرام اور سکون میسر نہ ہوا، بلکہ ہم پانی اور دانے جیسی بنیادی ضرورتوں کے لیے بھی ترستے رہے۔ اس میں نظیر نے انسان کی زندگی کے حقائق کو پیش کیا ہے کہ بسا اوقات وہ حالات اور قسمت کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اور یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ بن جاتا ہے۔

شعر نمبر5: شاعر کہتا ہے کہ محبوب کی خم دار ابروؤں میں ایسی کشش اور حسن پوشیدہ ہے گویا اس میں خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ محبوب کا حسن اتنا دلکش ہے کہ شاعر کا دل اسی کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں وہ کہتا ہے کہ اب ہم اسی 'کافر' یعنی محبوب کے بت خانے کی پرستش کریں گے۔ یہاں شاعر کا مقصد عبادت کرنا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ عشق انسان کو اس حد تک مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اس کی کل کائنات بن جاتا ہے۔

شعر نمبر6: اس شعر میں نظیر نے عاشق کی شدید بے چینی، ذہنی اضطراب اور عشق کی بیقراری کو نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دل اس قدر بے چین اور مضطرب ہو چکا ہے کہ نہ تو باغ کی خوبصورتی میں سکون مل رہا ہے، اور نہ ہی ویران صحرا میں چین آ رہا ہے یعنی ہر جگہ دل بے قرار اور پریشان رہتا ہے۔ ایسی مضطرب حالت میں شاعر سوال کرتا ہے کہ اپنے دیوانے دل کو کہاں لے جائیں تاکہ قرار نصیب ہو۔ گویا عشق اور غم نے دل کی حالت ایسی کر دی ہے کہ دنیا کی کوئی جگہ اسے راحت نہیں دے سکتی۔

شعر نمبر7: شاعر اپنے محبوب سے سوال کرتا ہے کہ اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو ہمیں بتا دو تاکہ ہم اپنی اس دردناک موت کو بھی خوشی کے ساتھ قبول کر لیں۔ یہاں شاعر نے عشق کی انتہا کو ظاہر کیا ہے کہ محبوب کی ناراضگی کے باوجود بھی اس سے شکوہ کم کر رہا ہے اور اپنی خطا جاننے کی زیادہ خواہش رکھتا ہے۔ وہ اپنے انجام کو بھی محبوب کی رضا سے وابستہ سمجھتا ہے۔

غزل-2

ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہماری کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے
مجھے ہے نزع، وہ آتا ہے دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ
مثال قطرہ شبنم رہے رہے نہ رہے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل یہ دیدہ پر نم رہے رہے نہ رہے
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے
یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے
نظیر آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

تشریح:

شعر نمبر1: نظیر کہتے ہیں کہ ہماری حیثیت غم کے آنسوؤں جیسی ہے، پتہ نہیں یہ اپنی جگہ یعنی آنکھوں میں ٹھہر پائیں گے یا نہیں۔ ہم پلکوں پر آکر کچھ دیر کے لیے رک تو جاتے ہیں، مگر یہ بھی یقین نہیں کہ وہاں جمے رہیں گے یا بہہ جائیں گے۔ اس شعر میں زندگی کی بے ثباتی اور غم کی عارضی کیفیت کو نہایت لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ شاعر کا خیال یہ ہے کہ انسان کے جذبات، آنسو اور دکھ سب وقتی ہیں؛ ان کا ٹھہراو یقینی نہیں۔

شعر نمبر2: نظیر کہتے ہیں کہ دنیا کی محفل باکمال، بااثر اور دوسروں کو خوشیاں دینے والوں کے سبب قائم ہے، ایسے لوگ ہمیشہ

سلامت رہیں۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ دنیا میں ہماری موجودگی یا عدم موجودگی سے شاید کوئی خاص فرق نہیں پڑنے والا۔ اس شعر میں شاعر نے انسان کی عارضی حیثیت اور دنیا کی بے نیازی کو بیان کیا ہے۔

شعر نمبر3: شاعر کہتا ہے کہ میں حالتِ نزع میں ہوں، میرا آخری وقت ہے اور موت آنے کو ہے۔ ایسے جانکنی کے وقت میں میرا محبوب مجھے دیکھنے کے لیے آرہا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ پتہ نہیں اس کے آنے تک میری سانسیں باقی رہیں گی یا نہیں۔ اس شعر میں شاعر نے محبت کی شدت، زندگی کی بے ثباتی اور آخری لمحات کی بے بسی کو بیان کیا ہے۔

شعر نمبر4: نظیر کہتے ہیں کہ ہماری زندگی اور بقا کی حقیقت قبر پر جلنے والے اُس چراغ کی طرح ہے، جو تیز ہوا میں کسی طرح چند لمحے جلتا رہتا ہے، مگر ہر وقت بجھ جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس میں شاعر نے زندگی کی بے ثباتی کا فلسفہ پیش کیا ہے کہ انسان کی زندگی بہت کمزور، عارضی اور بے یقینی ہے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے میں چراغ کی لو کبھی بھی بجھ سکتی ہے، اسی طرح انسان کی سانس کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے۔

شعر نمبر5: نظیر اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں ہم سے ملنا ہے تو اسی وقت مل لو، کیونکہ ہماری زندگی گھاس کی نوک پر ٹھہرے ہوئے شبنم کے قطرے کی طرح ہے۔ جس طرح شبنم کا قطرہ سورج نکلتے ہی یا ہلکی سی ہوا سے غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح ہماری زندگی بھی بہت مختصر اور غیر یقینی ہے؛ معلوم نہیں ہم کب تک زندہ رہیں۔ اس شعر میں زندگی کی عارضی حقیقت اور وقت کی قدر کو نہایت حسین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

شعر نمبر6: شاعر انسانی زندگی کی ناپائیداری اور غم کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمیں آج جی بھر کر رو لینا چاہیے، کیونکہ معلوم نہیں کہ کل یہ آنسو بھری آنکھیں باقی رہیں یا نہ رہیں۔ یعنی زندگی بے یقینی ہے؛ معلوم نہیں کہ انسان زندہ رہے گا یا اس کی آنکھوں میں رونے کی طاقت باقی رہے گی۔ اس شعر میں بھی زندگی کی عارضی حقیقت پیش کی گئی ہے۔

شعر نمبر7: شاعر محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ الغرض ہم تو تمہارے غم میں اپنی جان تک قربان کر چکے ہیں، یعنی محبت میں ہر غم اور تکلیف برداشت کر لی ہے۔ اب تمہیں ہماری پروا ہو یا نہ ہو، تم غم زدہ رہو یا خوش رہو، اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں۔

شعر نمبر8: شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ تم ہم کو ایک مسافر کی طرح سمجھو، جس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں؛ ممکن ہے یہ مسافر راستے میں کہیں ٹھہر جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آگے بڑھتا چلا جائے۔ یعنی انسان کی زندگی غیر یقینی اور عارضی ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ یہ سفر کب ختم ہو جائے۔

شعر نمبر9: نظیر خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے نظیر! آج ہی اپنے محبوب سے جا کر ملاقات کر لو، کیونکہ معلوم نہیں کہ دل میں ملاقات کی یہ تڑپ، یہ شوق اور یہ خواہش باقی نہ رہے۔ اس شعر میں شاعر نے وقت کی قدر، محبت کی شدت اور انسانی جذبات کی عارضی کیفیت کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

8.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظیر اکبر آبادی ہندوستان کی بہت سی زبانوں مثلاً برج بھاشا، گجراتی، ہندی، مارواڑی اور پنجابی کے ساتھ ساتھ فارسی سے بھی بخوبی واقف تھے، اس کا ثبوت ان کی غزلوں سے ہوتا ہے۔
- نظیر نے اپنے عہد کے رجحانات سے یکسر مختلف شعری زبان اور موضوعات برتنے کی سعی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کی قدر و قیمت سے اردو کے قارئین بہت عرصے تک ناشناسا رہے۔ بہت مدت کے بعد ان کے کلام کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہو سکا، جس کے وہ اہل تھے۔
- نظیر اکبر آبادی کی غزلوں کے مطالعے سے ان کی غزل گوئی کی کئی نمایاں خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ وہ عام طور پر اپنی نظموں کے لیے مشہور ہیں، لیکن ان کی غزلوں میں بھی سادگی، سوز اور انسانی جذبات کی عکاسی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔
- نظیر کی سب سے نمایاں خصوصیت آسان اور روزمرہ زبان کا استعمال ہے۔ ان کے اشعار میں مشکل فارسی تراکیب یا تصنع نہیں، بلکہ عام بول چال کے الفاظ ہیں جو فوراً دل میں اتر جاتے ہیں۔
- نظیر کی غزلوں میں انسانی جذبات کی سچی عکاسی ملتی ہے۔ ان کی غزلوں میں عشق، غم، محرومی، بے چینی اور امید و یاس کے جذبات فطری انداز میں پائے جاتے ہیں۔ وہ مصنوعی مبالغے کے بجائے دل کی سچی کیفیات بیان کرتے ہیں۔
- نظیر کی غزلوں میں زندگی کی بے ثباتی کا احساس شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ان کی غزلوں کا مرکزی موضوع زندگی کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہے۔ نظیر بار بار یہ احساس دلاتے ہیں کہ انسان، جذبات اور دنیا سب فانی ہیں۔
- نظیر کی غزلوں میں سوز و گداز اور درد مندی کا احساس پایا جاتا ہے۔ ان کے اشعار میں درد کی ایک نرم اور موثر لہر موجزن رہتی ہے۔ ان کا غم چیخ و پکار نہیں بنتا بلکہ دل میں اترنے والی اداسی پیدا کرتا ہے۔
- نظیر کی غزلوں میں صوفیانہ اور علامتی انداز بھی ہے۔ ان کی غزلوں میں مے خانہ، ساقی، بت، قفس اور صیاد جیسی روایتی علامات بھی ملتی ہیں، لیکن ان میں تصنع کم اور جذبات کی صداقت زیادہ ہے۔
- نظیر کی غزلوں سے فلسفیانہ سوچ بھی مترشح ہوتی ہے۔ وہ زندگی اور انسان کی حقیقت اور دنیا کی بے ثباتی پر بھی غور کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر اشعار انسان کی بے وقعتی اور وقت کی ناپائیداری کا احساس دلاتے ہیں۔

8.6 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
مافی الضمیر	:	دل کی بات، نیت، غرض، مطلب، مدعا، مقصد
محاکات	:	آپس میں بات چیت کرنا، باہم حکایت کرنا، کسی کے قول و فعل کی نقل کرنا

تمثال : تخیل کے ذریعہ تصویریں بنانا، نظیر تراشنا، امیجری

ارضیت : زمینی، سطحی، اپنی مٹی سے متعلق

سامعہ : سننے کی قوت

لامسہ : چھونے کی قوت

شامہ : سونگھنے کی قوت

باصرہ : دیکھنے کی قوت

گریبان : کرتے کا وہ حصہ جو گلے کے نیچے اور چھاتی کے اوپر رہتا ہے

محاسن : حسن کی جمع، بھلائیاں، خوبیاں، نیکیاں، اچھائیاں

آفاقیت : عالمگیر اور ہمہ گیر ہونے کی صورت حال، تمام انسانیت کے لیے یکساں یا مقبول ہونے کی حالت

بے ثباتی : ناپائیداری، فنا ہونے والی، جس کے موجود رہنے کا ٹھکانہ نہ ہو

تمثالیں : تمثال کی جمع بمعنی تصویر کاری، صورت گری

تجسیم : کسی مجرد شے کو جسمانی شکل وصورت دینا

بے ثباتی : فنا ہونے والا، متزلزل، ناپائیداری، کمزوری

رجائیت : امید وبیم کی کیفیت، پُر امید ہونا، خوش خیالی، خوش گمانی

قنوطیت : محرومی، ناامیدی، یاس زدگی، یاسیت

زنّار : وہ دھاگا جو ہندو گلے سے بغل کے پیچھے تک ڈالتے ہیں

قلندر : دین ودنیا سے آزاد آدمی، رند، لاابالی

عقد ثریا : سات ستاروں کا مجموعہ جو ہار کی طرح نظر آتا ہے

بادہ کشو : شراب پینے والے، شرابی

آبگینہ : شیشہ، بلور، کانچ

مسی : ایک سیاہ پاوڈر جسے عورتیں سنگار کے لیے اپنے دانتوں اور ہونٹوں پر ملتی ہیں

مژہ : پلک، ابرو، پپوٹا

نزع : جاں کنی، جسم سے روح کو نکلنا، دم ٹوٹنے کا عالم، دمِ آخر، دمِ رحلت

نوکِ گیاہ : گھاس کا سرا، جہاں شبنم عارضی طور پر ٹھہرتی ہے

قطرہ شبنم : شبنم کا قطرہ مراد ناپائیدار اور مختصر زندگی

دیدہ پرنم : آنسوؤں سے بھری آنکھ

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی سوالات:

1۔ نظیر کا پورا نام کیا ہے؟

(a)ذکی محمد (b)نبی محمد (c)علی محمد (d)ولی محمد

2۔ نظیر کہاں کے رہنے والے تھے؟

(a)آگرہ (b)دہلی (c)حیدرآباد (d)دکن

3۔ نظیر کی غزلوں کا اصل موضوع کیا ہے؟

(a)انسانی زندگی (b)عوامی مسائل (c)رسم ورواج (d)یہ سبھی

4۔ نظیر کی غزلوں کو کتنے خانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں؟

(a)دو (b)تین (c)چار (d)پانچ

5۔ نظیر کا کلیات کس سن میں شائع ہوا؟

1950(a) 1949(b) 1951(c) 1952(d)

6۔ نظیر کس لقب سے مشہور ہوئے؟

(a)انقلابی شاعر (b)احتجاجی شاعر (c)عوامی شاعر (d)ان میں سے کوئی نہیں

7۔ 'موتی' عنوان والی غزل میں نظیر نے کس کو مخاطب کیا ہے؟

(a)محبوب (b)دشمن (c)رقیب (d)سمدھن

8۔ نظیر کے محبوب کا نام کیا تھا؟

(a)سلمٰی (b)عطیہ (c)نجمہ (d)موتی

9۔ نظیر کی شاعری میں آسان الفاظ مستعمل ہوئے ہیں یا ثقیل؟

(a)آسان (b)گنجلک (c)ثقیل (d)سبھی

10۔ نظیر کے عہد کے دو مشہور شاعروں کے نام لکھیے۔

(a)ناسخ و آتش (b)میر وغالب (c)انیس ودبیر (d)ذوق و مصحفی

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کی غزلیں روایتی ہیں یا حقیقت پسند؟ بیان کیجیے۔

2۔ نظیر کے بارے میں شمس الرحمن فاروقی کا خیال نقل کیجیے۔

3۔ نظیر نے میر، سودا اور غالب کی تقلید کیوں نہیں کی؟

4۔ نظیر کی غزلوں کے موضوعات پر نوٹ لکھیے۔

5۔ نظیر کی موضوعی غزلوں کے حوالے سے بحث کیجیے۔

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر کی غزلوں کے امتیازی پہلو بیان کیجیے۔

2۔ ''نظیر کی غزلوں میں بے ثباتیِ دنیا کا فلسفہ بیان ہوا ہے۔'' اس قول کی روشنی میں ایک نوٹ لکھیے۔

3۔ ''نظیر عوامی شاعر تھے۔'' مثالوں کے ذریعہ اس قول کی تائید یا تردید کیجیے۔

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	انتخاب غزلیات نظیر اکبر آبادی	ملک زادہ منظور احمد
2۔	کلیات نظیر	نظیر اکبر آبادی
3۔	فرہنگ کلیات نظیر اکبر آبادی	ڈاکٹر نعیمہ پاشا
4۔	غزل: فن اور فنکار	پروفیسر ثریا حسین
5۔	نظیر ولی محمد اکبر آبادی	سلیم جعفر
6۔	نظیر اکبر آبادی	علی احمد فاطمی

8.7.1 کے جوابات:

d۔1	a۔2	d۔3	b۔4	c۔5
c۔6	a۔7	d۔8	a۔9	b۔10

نمونہ امتحانی پرچہ

بی اے (اردو)، تیسرا سمسٹر

پرچہ: نظیر اکبر آبادی

B.A. Urdu 3rd Semester

Paper : Nazeer Akbarabadi Subject Code : BNLU302DET

وقت: دو گھنٹے Time : 2 hours **نشانات: 35 Marks**

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم اور حصہ سوم۔ تمام حصوں سے جواب دینا لازمی ہے۔

1. حصہ اول کے تمام سوالات لازمی ہیں۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (5 x 1 = 05 Marks)
2. حصہ دوم میں 08 سوالات ہیں۔ طالب علم کو کوئی 05 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کے لیے 4 نمبرات مختص ہیں۔ (5 x 4 = 20 Marks)
3. حصہ سوم میں 02 سوالات ہیں۔ طالب علم کو کوئی 01 سوال کا جواب دینا ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (1 x 10 = 10 Marks)

حصہ اول

سوال: 1

i. نظیر اکبر آبادی کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی (b) بجنور (c) دلی (d) پٹنہ

ii. نظیر اکبر آبادی کس حیثیت سے مشہور ہیں؟

(a) عوامی شاعر (b) غزل گو (c) افسانہ نگار (d) مرثیہ نگار

iii. ان میں سے کون نظیر کا ہم عصر نہیں ہے؟

(a) میر (b) سودا (c) درد (d) غالب

iv. نظیر نے اپنی زیادہ تر نظمیں کس ہیئت میں لکھی ہیں؟

(a) مثلث (b) مسدس (c) مخمس (d) مثمن

v. نظیر کی نظم 'بنجارہ نامہ' میں انسان کو کس بات سے خبر دار کیا گیا ہے؟

(a) موت (b) غم (c) درد (d) دولت

1/2

حصہ دوم

1۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد کے معاشرے کی بنیادی طبقاتی ساخت پر تبصرہ کیجیے۔

2۔ نظیر کے گھر والوں نے دہلی سے آگرہ ہجرت کیوں کی؟

3۔ نظیر کے عہد کے ادبی رجحان پر روشنی ڈالیے۔

4۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعرانہ خصوصیات پر اظہار خیال کیجیے۔

5۔ نظم 'بنجارہ نامہ' کا خلاصہ لکھیے۔

6۔ نظم 'مفلسی' میں نظیر نے کن کن باتوں پر روشنی ڈالی ہے؟

7۔ نظم 'آدمی نامہ' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

8۔ 'آدمی نامہ' اور 'بنجارہ نامہ' کا تقابل کیجیے۔

حصہ سوم

9۔ نظیر کو عوامی شاعر کیوں کہا جاتا ہے؟ تفصیل سے لکھیے۔

10۔ نظیر کی غزلوں کے امتیازی پہلو بیان کیجیے۔

*****